سلسلۂ ادبیات
جامعہ اصلاحیہ عثمانیہ الٰہ آباد

نمبر ۱

خیابانِ ترنم

سنہ ۱۳۵۴ھ

اثر خامہ
سرگردہ سخنوراں۔ سرآمد نکتہ پروراں خاقانی مرتبت۔ نظیری نظیر
دبیر بیمثال۔ سحر بیاں۔ جادو تقریر یکہ تاز میدان فصاحت
شہسوار مضمار بلاغت (خانصاحب) جناب مولوی
سید محمد نوح صاحب شہیر مرحوم مچھلی شہری

مرتبہ
جناب سید اختر حسین نقوی سروش جانشین حضرت شہیر مرحوم
و
جناب مولانا الحاج شاہ ابوالحسن محمد مظفر حیدری "فاضل" فائزپوری
تلمیذ رشید حضرت شہیر اعلی اللہ مقامہٗ

بہ تحریک
نواب زادہ محمد خلیل اللہ ابن الیس جنگ بہادر

باہتمام حکیم رمضان علی صاحب
در مطبع اسرار کریمی الٰہ آباد طبع شد

۱۹۳۶ء

قیمت دو روپیہ

قطعہ تاریخ

نتیجۂ فکر بلند امتیاز الشعرا جناب مولوی سید محمد جعفر صاحب
قدسی جائسی

شہیر خوش بیاں کا ہے یہ دیواں — ہے اس کا صفحہ صفحہ گل بداماں
برنگ مہر یہ پرتو فشاں ہے — نظیر اسکی زمانے میں کہاں ہے
شہیر خوش بیاں استاد فن تھے — امیر کشور شعر و سخن تھے
سخن سنجی میں تھے مشہور آفاق — غزل ہو یا قصیدہ سب میں مشتاق
یہ مجموعہ بڑی جانکاہیوں سے — کیا شائع جناب حیدری نے
جلایا خوب نام استاد فن کا — جزاہ اللہ فی الدارین خیر
ضیا میں غیرت شمع فروزاں — ہے تقریظ جناب سر سلیماں

اگر پوچھے کوئی تاریخ اس کی
"خیابان ترنم" کہہ دو قدسی

۱۳۵۴ھ

عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان کے، ٹی، ایم اے، ال ال، ڈی بیرسٹرایٹ لا چیف جسٹس ہائیکورٹ الہ آباد کی واجب التعظیم تقریظ

(خانصاحب) جناب مولوی سید محمد نوح صاحب شہیر مرحوم رئیس مچھلی شہر ضلع جونپور، علم ادب کے ماہر اور اپنے معاصرین میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ غزل، قصیدہ، رباعی، مثنوی وغیرہ تمام اصناف سخن پر آپکو یکساں قدرت حاصل تھی اور ہر صنف میں آپ کا کلام، اہل ذوق کے دل پر، اپنے سکّے بٹھا چکا ہے۔ آپ ایک کامل الفن شاعر، اور با اقتدار رئیس ہونے کے باوجود، نہایت منکسر مزاج، نیک، اور خلیق تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ آپکی ہستی، ہر حیثیت سے، قابل قدر تھی، مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ کا کلام شائع ہو رہا ہے، خدا کرے کہ اس کو مقبولیت عام حاصل ہو۔

خاکسار

شاہ محمد سلیمان عفا عنہٗ
الہ آباد

۲ر مارچ ۱۹۳۶ء

تہدیہ

میں اپنے استاد معظم حضرت شہیر مرحوم کے گراں قدر
جواہر ریزوں کو عالی جناب مستغنی عن الالقاب الحاج
ڈاکٹر نواب محمد اللہ ابن الیس جنگ بہادر ایم اے ال،
ال، ڈی بیرسٹر ایٹ لا، ناظم (سشن جج) صوبہ اورنگ آباد
دکن زاد اللہ اقبالہ و اجلالہ کے اسم گرامی سے
معنون کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔

ناچیز
حیدری



عالیجناب الحاج ڈاکٹر نواب محمد اللہ ابن ایس جنگ بہادر
ام، اے، ال ال، ڈی۔ بیرسٹر ایٹ لا۔ ناظم (سشن جج)
صوبہ اورنگ آباد دکن

۷۸۶

منظور ہے گزارش احوال واقعی

دلی تمنا تھی کہ استاد معظم حضرت شہیر مرحوم کے بے بہا جواہر پارے ایک دیوان کی صورت میں ارباب نظر کے سامنے پیش کئے جائیں۔ لیکن مکروہات زمانہ میرے اقدام عمل میں سنگ راہ ہوتے رہے۔ احباب کا اصرار ہوتا رہا اور میں امروز فردا پر محول کرتا رہا لیکن یہ محسوس کر کے کہ عالم رنگ و بو کے تغیرات سے یکسوئی حاصل ہونے کی امید کرنا خواب و خیال ہے۔ خدا کا نام لے کے ترتیب و اشاعت کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

حضرت شہیر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، دنیائے ادب کا بچہ بچہ آپکی مشہور و معروف ہستی سے واقف، اور زبان اردو صحیح معنوں میں آپ کی رہین منت ہے۔ آپکے سوانح حیات پر چنداں روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں محترمی جناب برادر سید اختر حسین صاحب سروش جانشین حضرت شہیر نے تبصرہ کیا ہے لیکن یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ قدرت کیجانب سے آپکو ایسا حساس و دردمند دل عطا ہوا تھا جسکی ضیا باریوں نے آپکو حقیقی طور سے شاعر شگفتہ کی

صف سے خارج کرکے، شاعر مطبوع کے زمرہ میں داخل کر دیا۔ دورِ اولیں و آخریں کے اشع
نذرِ تغافل ہو چکے۔ ایک مرتب و منظم دیوان، حضرت شہیر کی زندگی ہی میں ضائع ہ
جس سے آپ اور آپ کے احباب خاص بجد متاسف تھے۔ چنانچہ حضرت امیر مینائی
کے صحیفۂ ذیل سے، اس کا کافی ثبوت ملتا ہے۔

۱۹ اپریل ۱۸۹۴ء   نمبر ۵

دلنواز[۱] امیر میر حضرت شہیر سلمکم اللہ القدیر

سلام مسنون۔ اخلاص مشحون۔ شدائد مرض۔ عسر بول و حبس بول سے اوقات
سخت اختلال ہے۔ ضعف پیرانہ سالی کو خستہ حالی نے اور قوت دے رکھی ہے۔ یہی سب
ہے کہ احباب سے بھی رسم و راہ خط و کتابت ترک ہو گئی ہے۔ آپ کی محبت اور عنا
کا خیال تو اکثر رہتا ہے۔ مگر خط لکھنے کا اتفاق مدت سے نہیں ہوا آج محمد احمد۔
آپکی خیر و عافیت سنکر مجھے ایسا قلق ہوا کہ اسکے بیان کو لفظ نہیں ملتے۔ خدا جانے کر
بیدردوں نے یہ ظلم کیا اتنے بڑے دیوان کا چوری جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ کچھ تفصیل
لکھئے یہ کیا غضب ہوا۔ آپ سے نامور شاعر کا کلام کسی دوسرے کے کام کیونکر آسکتا
یہ بھی لکھئے کہ خدانخواستہ اس کلام کے ملنے سے یاس ہو گئی ہے یا احتمال باقی ہے
درصورت نہ ملنے کے کچھ مسودات ایسے ہیں جن سے پھر ترتیب تبئیض ہو سکے یا نہیں
کرے وہی دیوان مل جائے ورنہ آپ ہرگز ہمت نہ ہاریئے اور مسودات سے جسقدر ممکن
پھر جمع کر لیجئے ایسے ریزہائے جواہر کا تلف ہو جانا۔ آپکے احباب پر نہایت شاق ہے میرا

---

[۱] از مکاتیب امیر مینائی

یہ خبر سنکر بیسمل ہوگیا زیادہ اسوقت کیا لکھوں۔ یہ چند سطریں طبیعت پر جبر کرکے لکھی ہیں میری کوتاہ قلمی پر نظر نہ فرماکر کبھی کبھی مجھے اپنی خیر و عافیت اور صحت و سلامت سے مسرور کیا کیجئے تو کمال احسان ہے۔ تکملۂ التماس یہ ہے کہ غدر میں میرا بھی کلام جسقدر اس زمانہ تک مرتب ہوا تھا اور میں نے اسکو خوشنویس سے لکھواکر مطلا اور مذہب کرایا تھا سب تلف ہوگیا۔ مگر کچھ اپنی یاد سے کام لیا اور کچھ پھر موزوں کیا کہ مرآۃ الغیب کی صورت بندھی۔ اگرچہ ہزار ہا شعر یاد نہ آئے اس لکھنے سے غرض یہ ہے کہ آپ بھی بالکل اس دیوان سے قطع نظر نہ فرمائیں اور کوشش کریں کہ کچھ یادگار باقی رہے۔

"آپ کا منت پذیر حسرت خمیر ویاس تصویر امیر فقیر"

حضرت شہیر اسی نظریہ کے تابع اور اسی لائحہ عمل کے پیرو تھے جسکا سنگ بنیاد ناسخ نے رکھا تھا مصلحات زبان کی حیثیت سے آپ کا شمار تیسرے دور میں کیا جاسکتا ہے، اسلئے کہ آپ جناب منیر مرحوم کے ارشد تلامذہ میں تھے اور حضرت منیر کو ناسخ سے فخر تلمذ حاصل تھا آپ کے اشعار پر اک سرسری نظر ڈالنے سے یہ امر واضح و منکشف ہوجاتا ہے کہ آپ حقیقی طور سے فیض منیر سے مستفید ہوئے۔ خود حضرت شہیر فرماتے ہیں ؎

بعد از ناسخ و منیر شہیر یادگار گزشتگاں ہیں ہم

شاعری ایک فطری شئے ہے اگر انسان قدرت کیجانب سے شاعرانہ دل و دماغ لیکر آیا ہے تو اسکے جذبات محدود نہیں رہ سکتے وہ اپنے احساسات، نظم کی صورت میں ظاہر کرنے پر مجبور ہے، جسطرح ایک اُبلتا ہوا چشمہ، کسی رکاوٹ سے نہیں رکتا، وہی کیفیت

ایک شاعر کی ہے جب اسکے شاعرانہ خیالات میں جزر و مد ہوتا ہے تو وہ شعر کی ہیئت ،
اختیار کرتا ہے۔ حضرت شہیر کو خلاق ازل نے ایک ایسا دل عطا فرمایا تھا جس میں ،
احساسات و جذبات کی دنیا آباد تھی آپکو خوش نصیبی سے ایک ایسا رہبر کامل مل گیا جس نے
آپکی شخصیت میں چار چاند لگا دیئے اور آپکو مکمل شاعر بنا دیا۔ اصناف سخن کے ہر
نوع پر خامہ فرسائی و طبع آزمائی تو آسان ہے لیکن ہر صنف کو بہترین صورت میں پیش یا
کرنا بہت دشوار ہے۔ جناب شہیر کی شخصیت اس معاملہ میں بھی اپنے معاصرین میں ز
امتیاز رکھتی ہے، آپ نے ہر نوع کی طرف توجہ فرمائی اور کما حقہ اُسے انجام دیا۔ ل
میں تمام وہ شرائط مد نظر رکھے جو ایک غزل گو شاعر کے لئے ضروری ہیں۔ قصائد و نظم و ر تیا
و مسدس و مثنوی غرض کہ ہر صنف سخن میں آپ نے کمال شاعری کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں

غزل

لفظ غزل کو جس مفہوم کیلئے وضع کیا گیا تھا، اُس معنی وضعی کے ساتھ اب اس کی
تخصیص نہیں رہی بلکہ اس کی وسعت نے، تصوف، اخلاق، مواعظ وغیرہ کو بھی اپنے
دامن میں لے لیا ہے، غزل کی اصلاح، تمام اصناف سخن سے زیادہ اہم ہے اس لئے
اسکا اثر قومی مذاق اور قومی اخلاق پر جسقدر بھی ہو کم ہے، ہر شخص اپنے ذوق کے لے
موافق لطف اندوز ہوتا ہے۔ غزل کی بنا چونکہ حقیقتاً عشقیہ مضامین پر رکھی گئی
ہے اس لئے اگر عشق و محبت کی چاشنی نہ دیجائے تو آج کل اسکا مقبول ہونا دشوار
ہے بایں وجہ عشقیہ مضامین کے لئے ایسی جامع لفظیں ضروری ہیں، جو محبت کے تمام

تعلقات مادی اور روحانی پر غالب ہوں اور حتی الامکان ایسے الفاظ سے احتراز کیا جائے جن سے کلام میں سقم و رکاکت پیدا ہونے کا شبہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ غزل کو مطالب و مضامین کے لحاظ سے جسقدر وسعت دیجائے مستحسن ہے۔ لیکن مفہوم شعر کا لفظوں کے گورکھ دندھے میں پھنسکر رہ جانا، شاعر کے دامن کمال پر نقص کا بدنما دھبہ لگاتا ہے۔ سادہ اور عام فہم الفاظ کا استعمال ضروری ہے تاکہ سامع کا ذہن فوراً اصل مفہوم کیطرف راجع ہوجائے الفاظ جسقدر عام فہم ہونگے اسی قدر شعر میں کیفیت ہوگی ایسے غریب الفاظ استعمال کرنا جس سے کان آشنا نہیں ہیں، کسی طرح ممدوح نہیں، آسان اور سادہ لفظیں جو شاعر کے جذبات کی آئینہ ہوتی ہیں اُن سے آمد کا اظہار ہوتا ہے۔ جذبات کو لفظوں کا پابند بنانا آورد کہلاتا ہے۔ آسان لفظوں کیساتھ محاورہ و روزمرہ کی پابندی بھی غزل کے لئے ضروری ہے۔ اگر محاورہ و روزمرہ کی لطافت بھی شعر میں موجود ہوگی تو شعر بلند تر ہوجائیگا۔ جناب شہیر ان تمام خصوصیات مذکورہ کے فی الحقیقت حامل تھے۔ آپ کے بے تکلف اشعار، آورد کے دائرے سے بالکل خارج ہیں آپ ایسے الفاظ کبھی نہیں استعمال کرتے تھے جس سے مفہوم شعر مغلق و مبہم ہوجائے بلکہ ہمیشہ سادہ اور آسان لفظیں اور ان کے ساتھ محاورہ اور روزمرہ استعمال فرماتے تھے سخت سے سخت مضامین، اہم سے اہم امور وہ نہایت سنجیدگی سے ادا فرماتے تھے۔ فلسفہ کے اہم مسائل، تصوف کی حقیقی تصویر، اخلاقیات کا

بہترین مظاہرہ، عشق و محبت کی دلچسپ داستان، رنج و غم کا پُرحسرت مرقع، تاثر کی پُرلطف کیفیت، سوز و گداز کی دلدوز حالت، جس عنوان سے، حضرت شہیر نے پیش فرمائی ہے اس کا کیا کہنا، صنائع لفظیہ و معنویہ کا لحاظ، معنی آفرینی و دشوار پسندی تخیل و محاکات، قواعد کی پابندی یہ سب چیزیں عام طریقہ سے ان کے کلام میں پائی جاتی ہیں، آپ نے اکثر و بیشتر ان زمینوں میں طبع آزمائی فرمائی ہے جن کہ ہندوستان کے مایۂ ناز شعرا، داد سخن لے چکے ہیں اور کوئی گوشہ ایسا نہیں بچا ہے جسے وہ نظر انداز کر گئے ہوں لیکن حضرت شہیر کی شاعرانہ فطری طاقت نے کچھ ایسے لطیف گوشے پیدا کر دیئے کہ جن سے موصوف کے کمال شاعری کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ ہم اس مقام پر ایجاز و اختصار کے ساتھ چند اشعار مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتے ہیں جو تمام محاسن شعر کے فی الواقع حامل ہیں۔

اعتبار عمر فانی کچھ نہیں ۔۔۔ کچھ نہیں دنیائے فانی کچھ نہیں
وقت پیری زندگانی کچھ نہیں ۔۔۔ زندگانی بے جوانی کچھ نہیں
آنسوؤں سے کیا بجھے دل کی لگی ۔۔۔ آگ کے آگے یہ پانی کچھ نہیں
سُن کے وہ افسانۂ الفت مرا ۔۔۔ بولے یہ جھوٹی کہانی کچھ نہیں
بے بقا ہے عالم ناپائیدار ۔۔۔ کچھ نہیں دنیائے فانی کچھ نہیں
خشک ہے بے اشک کشت آرزو ۔۔۔ سوکھتا ہے دھان پانی کچھ نہیں

اے باغباں شوق اسیری ہے اس قدر ۔۔۔ خود بلبلوں کو رہتی ہے صیاد کی تلاش

سو نقش خود جو ایک تصور میں کھینچ لے
پھر اسکو کیا ہو مانی و بہزاد کی تلاش

ہو سکنے کو یوں آپ سے کیا ہو نہیں سکتا
ہو لاکھ مگر عہد وفا ہو نہیں سکتا

کیوں قتل کے اقرار میں ہے تمکو تامل
کیا عہد وفا ہے کہ وفا ہو نہیں سکتا

قاتل سے جو ملجائے وہ قاتل ہے کہ دل ہے
یہ دشمن جاں دوست مرا ہو نہیں سکتا

کیوں پھر مجھے اے عیسی دوراں نہیں دیکھا
کیا درد مرا قابل درماں نہیں دیکھا

رستہ نہ ملا اسکو بیابان جنوں کا
جس نے کہ مرا چاک گریباں نہیں دیکھا

مرنے والے کے نام کا خط تھا
اس کے بازو سے جب کھلا تعویذ

شام غم آتے ہی مجھ سے کہتے ہیں میرے نصیب
نیند آئے یا نہ آئے تم کو ہم سوتے ہیں آج

دل کی چوٹیں داغ بن بن کر نمایاں ہو گئیں
جو جگر میں رہ گئیں وہ درد پنہاں ہو گئیں

شاخہائے گل میں گھر کر ہو گئی بلبل اسیر
ڈالیاں ہر سمت سے دیوار زنداں ہو گئیں

وہ امیدیں کیا اٹھاتیں سر دل مایوس میں
جو کہ پامال ہجوم یاس و حرماں ہو گئیں

چار بوندیں تھیں لہو کی دل جگر کی کائنات
وہ بھی صرف دعوت سوفار و مژگاں ہو گئیں

قید آب و گل سے دنیا میں نہ چھوٹے تا حیات
چاروں دیواریں عناصر ہی کی زنداں ہو گئیں

میں تو دونوں طرح منت کش تیر یار ہوتا
وہ اٹک کے دل میں رہتا کہ جگر کے پار ہوتا

اگر آگ کے جلے کی نہ دوا بھی آگ ہوتی
تو نہ سوز غم بھی دل کا میرے غمگسار ہوتا

وہی ہاں نظر نظر تھی مرے دل سے جو گزرتی
وہی تیر تیر ہوتا جو جگر کے پار ہوتا

مرے قلب مضطرب کا تو مدار چرخ پر تھا
جو اسے سکون ہوتا تو اسے قرار ہوتا

حضرت غالب مرحوم کی یہ دو غزلیں ایسی ہیں کہ کوئی گوشہ ایسا نہیں جسے غالب نے چھوڑ دیا ہو۔ حضرت شہیر کے زور طبیعت کا ثبوت اسی سے ملتا ہے کہ انھوں نے ا میں نیا رنگ پیدا کر دیا اور جدید گوشے نکالے۔

ہر اک بات میں تھا حجاب اول اول — نہ یوں تم تھے حاضر جواب اول اول
وفادار اغیار کا اب لقب ہے — کہیں تھا یہ میرا خطاب اول اول
ازل ہی سے کوثر کی لہروں میں ڈوبے — ہوئے غرق بوج شراب اول اول
جوانی میں رندی ضعیفی میں توبہ — ثواب آخر آخر عذاب اول اول
نیاز ابتدا کا تھا ناز ابتدا کا — سوال اول اول جواب اول اول

حضرت داغ مرحوم نے بھی اس زمین میں ایک غزل کہی ہے اور کوئی شک نہیں کہ غزل بے مثل ہے۔ لیکن حضرت شہیر کی اس غزل کے چند شعر لائق تحسین ہیں اور میرے زعم ناقص میں قدرے امتیازانہ شان رکھتے ہیں مثلاً یہ شعر

جوانی میں رندی ضعیفی میں توبہ — ثواب آخر آخر عذاب اوّل اوّل

لفظوں کی تکرار سے شعر کی لطافت دوچند ہوگئی۔

تصوف

اس طریقہ کا نام ہے جس پر خلوص، وفا، تسلیم و رضا کے ساتھ چلنے والے کی نـ
باری تعالےٰ کے حکم کے آخری منزل پر واصل ہو جاتی ہے ہر منزل پہ پرد
اٹھتا جاتا ہے، ہر شے میں خدا کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے ۔ور ہر چیز میں اسی کی حـ

جھلک معلوم ہونے لگتی ہے۔

قدمانے جس وسعت اور دلآویزی کے ساتھ صوفیانہ خیالات ادا کئے ہیں ان کی نظیر کسی دور میں نہیں ملتی، اسمیں شک نہیں کہ تصوف کا رنگ ہر دور میں کچھ نہ کچھ ضرور پایا جاتا رہا، دور جدید کے شعرا میں مولانا حالی، مولوی اسمعٰیل، فانی وغیرہ کے کلام میں بہت کچھ صوفیانہ شان پائی جاتی ہے۔ جناب شہیر کا سلسلۂ تلمذ اگرچہ ناسخ تک پہنچتا ہے لیکن آپ صوفیانہ خیالات سے بیگانہ و ناآشنا نہ تھے۔ آپ کے یہاں تصوف کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ زیادہ تر اشعار صوفیانہ خیالات ہی پر مبنی ہیں، حضرت شہیر نے اپنا انداز بیان نیز شاعری کے محاسن کو فلسفہ و تصوف کی سنگلاخ زمین میں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ نہایت بے تکلفی کے ساتھ جس طرح چاہا آسان لفظوں کے قالب میں معانی و مطالب جلیلہ کو ڈھال دیا، چند اشعار مشتے نمونہ از خروارے، ہدیہ ناظرین ہیں۔

جمالِ شاہد یکتا کا جلوہ یار میں دیکھا　　جو رنگ حسن اصلی ہے گل رخسار میں دیکھا
انجمن افروزی کثرت میں ہے وحدت کی شان　　اک چراغ طور ہے اس شمع محفل کا جواب
یہ عشق مجازی بھی حقیقت کا ہے زینہ　　رکھ پاؤں ذرا اے دل دیوانہ سمجھ کر
لے عشق میں جو چشم حقیقت سے کام دل　　دیکھے نئی زمین نیا آسمان دل
کثرت ہی میں وحدت کا جلوہ نظر آتا ہے　　وہ لاکھ حسینوں میں یکتا نظر آتا ہے
او حسن ترا جلوہ ہر جا نظر آتا ہے　　پردہ میں بھی تو پردہ آرا نظر آتا ہے

جو پردۂ باطن میں ہے محو خود آرائی
عکس آئینہ دل میں اسکا نظر آتا ہے

جب آپکی کھنچتی ہے تصویر تصور میں
صورت گر اصلی کا نقشا نظر آتا ہے

ہے صورت و معنی میں تمئیز جسے حاصل
نیرنگ شہود اس کو دھوکا نظر آتا ہے

جلوۂ حسن ازل سے ہے دو عالم معمور
شان کثرت میں دکھائی ہے یہ یکتائی

آپ اپنا پتہ نہیں ہم کو
یہ نہیں جانتے کہاں ہیں ہم

اپنی ہستی بھی ہے عجب ہستی
کہ نہیں ہونے پر بھی ہاں ہیں ہم

مرتے مرتے بھی ہے بلند نگاہ
عازم سیر لامکاں ہیں ہم

قید کون و مکاں سے ہیں آزاد
کچھ نہیں ہے جہاں وہاں ہیں ہم

صورت وحدت آشنا کار دیدۂ امتیاز میں
جوہر فرد رو نما آئینۂ مجاز میں

نغمۂ ساز سوز غم۔ نالۂ دلنواز میں
گرمی شوق پردۂ آہ جگر گداز میں

چشم حقیقت آشنا۔ آئینۂ مجاز میں
دیکھ رہی ہے اسکا عکس جو ہے حجاب ناز میں

حال مریض ہجر کا۔ کیا ہے شب دراز میں
جانے وہ کیا جو سو رہے جا کے حریم ناز میں

فتنے تو پڑ کے سو رہے پہلوئے خواب ناز میں
ہجر کو راہ مل گئی دیدۂ نیم باز میں

اے دل درد آشنا اُس سے جفا کا کیا گلہ
ذوق ستم بھی ہو ملا جسکی ادائے ناز میں

پاؤں نکالتے نہیں وہ تو حریم ناز سے
سجدے یہاں ہیں بیقرار ناصیۂ نیاز میں

انکے لب و زبان میں گو جوہر راستی نہو
جھوٹی تسلیاں تو ہیں وعدۂ حیلہ ساز میں

نالوں کی گرم جوشیاں۔ آہوں کی سرد مہریاں
کرتی ہیں کارسازیاں عشق کے سوز و ساز میں

آپ کا دل تو پتھر ہے دل سنگ بھی تو موم ہو
ایسی ہے گرمیٔ اثر نالۂ دل گداز میں

راہِ تلاشِ یار میں جتنے ہیں ذرہ ہائے خاک
آنکھوں کے تارے ہیں سب دیدۂ امتیاز میں

روزِ سیاہ ہجر کا ہوگیا سایہ بھی شریک
لگ گیا اور ایک پاٹ طولِ شبِ دراز میں

برقِ جلال طور سوز۔ نورِ جمال دلفروز
حکمتِ سوز و ساز ہے قدرتِ حق کے راز میں

بارشِ اشک غم کے ساتھ آہوں کی بجلیاں بھی ہیں
امن کی راہ بند ہے وادیٔ برق تاز میں

گرد پھرے۔ فدا ہوئے۔ لاکھوں پتنگے جل مرے
شمع بھی گھل کے بجھ گئی اس غمِ جانگداز میں

شمع بجھی۔ سحر ہوئی۔ اُٹھ گئے اہلِ بزم بھی
رنگِ شبینہ اب کہاں محفلِ سوز و ساز میں

حد سے بڑھائے جب قدم۔ گر گئے آپ منہ کے بل
پائے طلب اُلجھ گئے دامنِ حرص و آز میں

حُسنِ نظارہ سوز پہ تاب نظر کسے شہید
مصلحتاً اسی سے تو وہ ہیں حجابِ ناز میں

تصوف کوئی آسان چیز یا بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر کس و ناکس اسکا مردِ میدان بن سکے وہی شخص اس بحرِ ناپیدا کنار کا غواص ہو سکتا ہے جس کے دل میں محبت کا سچا جذبہ موجود ہو۔ ابتداً عرض کر چکا ہوں کہ شہید ایک ایسا درد مند دل لے کر آئے تھے جس میں محبت کی دنیا آباد تھی سوز و گداز کے اندر عشق و محبت کا حقیقی افسانہ جسے ہم تصوف کہتے ہیں حضرت شہید نے بہترین طور پر پیش کیا ہے ارباب ذوق اسکا اختبار خود کر سکتے ہیں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت شہید دنیائے شاعری کے آفتاب درخشاں تھے ہر نوع سخن

پر طبع آزمائی فرماکے اُنھوں نے اپنے اقتدارکلی کا ثبوت دیدیا ہے۔ مقدمہ کی تطویل ب
پریشان خاطر ارباب ذوق ہوگی لہذا ہر نوع سخن پر سرسری تبصرہ سے بھی احتـ کیا
گیا حضرت شہیر کا دیوان اپنے زریں دامن میں طرح طرح کے جواہر ریزے لئے ہو ئے
ہے، ارباب ذوق خود مشاہد فرمالیں گے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ ہم اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے استاد معظم حضرت شہیر کے
دیوان کا مقدمہ کما حقہ نہ لکھ سکے اور نہ آپ کی شخصیت کو بے نقاب کر سکے جو بھی
تحریر کیا گیا ہے اس سے حضرت شہیر کی ذات بلند تر ہے۔

ارباب ذوق سے امید ہے کہ وہ جناب شہیر مرحوم کے دیوان کا خیر مقدم ا عزت
وقعت کے ساتھ کرینگے جس کا کہ وہ مستحق ہے۔

ہم عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان کے، ٹی، ایم اے ال، ال ڈی بیرسٹر
ایٹ لا چیف جسٹس ہائیکورٹ الہ آباد کا شکرگزار ہیں کہ جناب ممدوح نے میری گذارش کو شرف
قبول مرحمت فرمایا اور اس مجموعہ پر تقریظ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔

ہم اپنے محترم دوست جناب امتیاز الشعرا مولوی سید محمد جعفر صاحب قدسی ہاشمی
کے منت پذیر ہیں کہ جناب نے میری خاطر سے اس مجموعہ کا تاریخی نام تجویز فرمایا۔

ناچیز

حیدری

تعارف

(از جانشین حضرت شہید)

پہلے بچپن پھر جوانی اور کہیں آخر میں پیری آتی ہے لیکن مجبوری تلاش ویے حصولی کا بڑا ہو کہ حضرت شہید اعلی اللہ مقامہٗ کا آخری کلام مجھکو ابتدا میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ چاہئے تو یہی تھا کہ اس وقت تک جب تک کہ ابتدا و درمیان کے کلام نہ مل جاتے میں اس آخری کلام کی طباعت کا خیال ہی نہ کرتا کیونکہ اُلٹا بہنے کو دریا بہتا تو ہے لیکن خلاف فطرت پھر عمر نوحی درکار تھی اور شاید اس پر بھی ایسا ہونا ناممکن ہی تھا کیونکہ تدبیر کے ساتھ ساتھ بسا اوقات تقدیر اپنے زبردست احکام جاری کئے بغیر نہیں رہتی۔ سب سے ابتدائی کلام خود جناب مصنف نے ایک مطبع کو دیا لیکن چھپنا درکنار آجتک اس نسخہ کا پتہ بھی نہ ملا۔ درمیانی کلام جو ایک ضخیم کتاب کی صورت میں تھا اور جسکے لئے خود جناب موصوف نے اپنی زندگی میں دوبارہ طباعت کی کوشش فرمائی وہ بھی خدا بھلا کرے میرے ایک کرمفرما کا کہ صاف کرنے جو لیگئے تو ابتک خاموش ہیں بچا کھچا یہ آخری کلام رہا جو نہایت غیر مسلسل حالت میں میرے ہاتھ لگا اور جس میں بھی یہ خامی رہ گئی کہ مرحوم کی بالکل آخری عمر کی نظمیں کہیں بھی نہیں۔ بہر کیف جو بھی ہے بطور یادگار پیش ہے۔ نہ ہونے سے کچھ بھی ہونا اچھا ہی ہے۔

حضرت شہید خلد آشیاں کی مکمل سوانح عمری محتاج بیان نہیں کیونکہ دو بار (ایکبار ۱۹۱۹ء میں وبدبہ آصفی حیدرآباد دکن میں دوسری بار جناب صفدر مرزاپوری کی تصنیف کردہ نسخہ میں)

شائع ہوچکی ہے لیکن چونکہ دیوان کے ساتھ ساتھ کچھ مصنف کے حالات بھی ہونا ضروری ہیں
لہذا مختصراً لیکن جامع طور سے زینت دہ اوراق ہیں۔

نام۔ سید محمد نوح۔ تخلص شہیر۔ عمر ۷۵ سال ۱۲۷۳ھ لغایت ۱۳۴۸ھ
سادات عظام رؤسائے مچھلی شہر سے ہیں۔ سلسلۂ نسب پدری اٹھائیسویں پشت میں حضرت امام
علی نقی علیہ السلام امام دہم تک پہونچتا ہے اور سلسلۂ مادری پچیسویں پشت میں حضرت امام
حسنؑ تک منتہی ہوتا ہے۔ یعنی دادھیال سادات حسینی اور ننھیال سادات حسنی ہے۔

آپکے بزرگوار عہد سلطان علاءالدین خلجی میں شہر سبزوار متعلقہ ملک ایشیا سے پورب
وارد ہوکر عہدہ ہائے جلیلہ پر سربلند و ممتاز رہے۔ اس خاندان کا احترام سلاطین عہد
کرتے رہے عہد عالمگیری میں آپکے اسلاف ضلع الہ آباد میں آکر متمکن و زیب افزائے
سجادۂ ارشاد و ہدایت ہوئے۔ جہاں کثرت اولاد و احفاد سے چند موضع آباد
ہوگئے۔ آپکے جد نہم سید ابوسعید اعلیٰ اللہ مقامہٗ کو سند زمینداری مواضعات کثیر کی ضلع
جونپور صوبۂ الہ آباد میں حاصل ہوئی جسکے ذریعہ سے مچھلی شہر میں آکر قیام پذیر ہوئے جو
اسوقت محض گھسوہ کے نام سے مشہور تھا۔ عہد سرکار انگلشیہ تک آپکا خاندان بہت
ممتاز و سربلند رہا۔ تقریباً ڈیڑھ سو برس سے آپکا خاندان یہاں آباد ہے آپکے اہل
خاندان ہمیشہ عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز و ممتاز رہے اور اب تک ہیں۔ آپکے والد ماجد سید علیؒ
صاحب مرحوم خاندان موجودہ کے سردار و پیر و تھے۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں سرکار انگریزی
ایسی خیرخواہی اور خدمات کیں جنکے صلہ میں سرکار سے علاوہ ریاست سابقہ کے چند علاقجات ۔۔۔

اور عطا ہوئے علاوہ بریں اختیارات اسپشل مجسٹریٹی تمام حدود مچھلی شہر میں مرحمت ہوئے۔ آپ اپنے والد کے خلف الصدق فرزند اکبر میں علاوہ حسن سیرت کے حسن صورت میں بھی واہب العطا نے امتیاز خاص بخشا تھا چنانچہ خود ایک غزل کے مصرع میں فرماتے ہیں

"آپ اچھے ہیں تو میری بھی ہے صورت اچھی"

تعلیم | فارسی اور عربی کی تکمیل گیارہ برس کی عمر میں گھر ہی پر کر لی ۱۸۶۶ء میں جب آپکے والد ماجد کا وصال ہوا اسوقت آپکی عمر پورے بارہ برس کی بھی نہ تھی لیکن ۱۸۶۸ء میں حسب تجویز حکام ضلع آپ تعلیم انگریزی کیلئے آگرہ بھیجے گئے۔ وہاں مولوی سید محب علی صاحب سلیس جو کالج میں ہیڈ مدرس عربی اور آپکے خاص معلم تھے ایک باکمال خوش فکر خوش گو شاعر تھے انھیں کی صحبت کی اثر سے آپ میں مذاق شعر و سخن پیدا ہوا۔ مرزا حاتم علی مہر شاگرد رشید ناسخ مرحوم ان دنوں آگرہ میں استاد فن تھے۔ مولوی محب علی صاحب سلیس سے مشاعرے میں مقابلہ رہا کرتا تھا۔ آپ بھی اکثر مشاعروں میں اپنے استاد کیساتھ جایا کرتے تھے۔ اگرچہ اسوقت آپ خود کچھ کہتے بھی نہ تھے مگر طبیعت میں مذاق شاعری اچھی طرح پیدا ہو گیا تھا۔ آخر ۱۸۷۲ء میں جب آپ مچھلی شہر آئے تو وہ شوق کی آگ جو عرصہ سے اندر ہی اندر سلگ رہی تھی عنفوان شباب میں شعلہ ور ہو گئی۔

آغاز شاعری | اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ آپ کے بہت قریب تر رشتہ کے چچا (جو بعد میں خسر بھی ہوئے) سید محمد ظہور ڈپٹی کلکٹر جو اُس زمانہ میں تحصیلدار فرخ آباد تھے بحصول رخصت وطن آئے تھے موصوف شاعری کے کمال دلدادہ و شائق تھے۔ فرخ آباد کے نامی مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے وہاں کلب حسین خاں نادر کے یہاں ہواری مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ وہیں کیطرح پر پہلے پہل غزل کہی

جسے سید محمد ظہور صاحب نے خوش ہو کر سنا اور پسند فرمایا۔ ممدوح کے دل بڑھانے سے اور حوصلہ بڑھا اور پھر کہنے لگے لیکن اردو میں کم فارسی میں زیادہ ۔چونکہ بد و شعور سے آپکو خواجہ وزیر صبا رشید حضرت ناسخ مرحوم کا کلام بہت پسند تھا اسی عقیدت کیوجہ سے اُن کے بیٹے خواجہ بادشاہ صاحب سفیر کے پاس اپنی چند غزلیں برائے اصلاح بھیجیں۔ شاعری کا شوق بڑھتا جاتا تھا اور مشق کافی ہوتی جاتی تھی اپنے حوصلہ سے زیادہ کہنے لگے اور اکثر بنارس و فرخ آباد کے مشاعروں کی طرحوں پر غزل لکھی۔ اور داد شاعری پائی۔

تبادلہ اصلاح | خواجہ وزیر کا کلام بیحد پسند تھا لیکن انکا وصال ہو چکا تھا انکے بیٹے سفیر سے اصلاح لیتے تو ضرور تھے لیکن ابتدا سے بعد خواجہ وزیر کے سید اسمٰعیل حسین صاحب منیر شکوہ آبادی کے رنگ شاعری کے بیحد دلدادہ تھے۔ دل میں آرزو تھی کہ اگر منشی منیر کے ملاحظہ سے کلام گزرتا تو خوب تھا مگر شرم و متاع کا سد سے اصلاح لینے کی جرأت نہ کرتے تھے تا اینکہ خود موصوف نے توجہ فرمائی اور آپ کو شرف شاگردی حاصل ہو گیا۔ اور پھر جو کچھ حاصل ہوا وہ منشی منیر مرحوم کی فیض صحبت و اصلاح کا نتیجہ تھا۔ ابتدا کے کچھ اشعار اتفاقیہ مل گئے جو درج ذیل ہیں۔

جان و دل لینے پہ جسدم آپ مائل ہو گئے   اک نظر میں سینکڑوں بے جان بے دل ہو گئے
دھجیاں جیب و گریباں کی اُڑاتے کیوں نہیں   یہ مرے دست جنوں کیوں آج کاہل ہو گئے

جان کیا نکلے گی جسم زار سے   تو و ذبی ہے لاغری کے بار سے
لاغری میری شباہت کفر ہے   ہوں مشابہ رشتۂ زنار سے

شاعری کا انسداد | شاعری کا شوق بڑھتے بڑھتے ایکبارگی طبیعت مذہب کیطرف

ہوگئی۔ اب بجائے شاعری کے کتب مذہبیہ دیکھنے کا شوق بڑھا اور محفل شعر و سخن کی جگہ مذہبی بحث کا سلسلہ آغاز پذیر ہوا چار پانچ سال تک کتب دینی اور بحث و مباحثہ کے بعد طبیعت نے پھر پہلی طرف پلٹا کھایا اسکی وجہ یہ ہوئی کہ سید محمد ظہور صاحب پنشن لے کر وطن آچکے تھے اور ماہانہ مشاعرے کی بنیاد ڈالدی تھی۔ دوبارہ جو طبیعت راغب ہوئی تو مرتے دم تک شوق کم ہونا تو کیا بڑھتا ہی گیا یہانتک کہ کئی بار سرکار کی اعلیٰ سے اعلیٰ ملازمت کا حکم آیا لیکن یہ کہکر کہ شاعری آزاد طلب ہے۔ انکار کر دیا۔ جبھی تو فرماتے ہیں۔

شہیر آج دنیا میں اک چیز ہوتا مگر شاعری نے کہیں کا نہ رکھا

<u>علمی قابلیت</u>۔ یوں تو باقاعدہ تعلیم کم ہوئی مگر شوق کتب بینی نے خداداد قابلیت پیدا کر دی۔ اردو تو خیر مادری زبان ہی ہے۔ عربی و فارسی کی قابلیت بدرجہ اتم تھی بالخصوص فارسی میں وہ ید طولیٰ حاصل تھا کہ اکثر فارس یا ایران کے مسافر آجاتے تھے اور آپکی شستہ گفتگو و روانی زبان پر عش عش کرتے تھے اور اکثر بے ساختہ کہہ اُٹھتے تھے کہ ہملوگوں میں کا قابل سے قابل شخص ہی آپ سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ فارسی شعرا کے دواوین قریب قریب کل نہیں تو نصف تو ضرور ازبر زبان تھے۔ عربی زبان میں عبور کامل تھا اکثر مجلسوں میں بیان فرماتے وہ عربی کے نکات بیان کر دیتے کہ سامعین دنگ رہجاتے۔ ان سب کے علاوہ سنسکرت کے بہت زیادہ دلدادہ تھے اور ماہر بھی تھے اکثر پنڈتوں سے بحثیں کر بیٹھتے تھے۔ فن عروض میں تو وہ دستگاہ کامل تھی کہ ناظر جیسا استاد فن بارہا کہہ چکا ہے اور بھرے مجمع میں کہہ چکا ہے کہ آج مرزا اوج کے بعد اگر

کوئی ذات ہندوستان میں ہے تو حضرت شہیر کی ہے۔

خصوصیات شاعری ہمیشہ صاف کہنے کی کوشش فرماتے تھے اور شاگردوں کو بھی ہمیشہ یہی ہدایت تھی۔ تعقید کو بیحد بُرا سمجھتے تھے لیکن اگر شعر میں مجبوراً تعقید ہو جائے اور ظاہراً شعر میں کوئی سقم نہ پیدا ہو تو جائز سمجھتے تھے۔

کبھی وفا میں نہ کی وعدۂ وفا کرکے　　دکھا دیا عملاً منہ سے جو کہا کرکے

ساتھ ہی ساتھ رعایت لفظی کسی جگہ نہیں چھوٹنے پاتی تھی۔ کوئی شعر ایسا نہیں جو رعایت لفظی سے خالی ہو اور یہی وجہ تھی کہ بعض شعر محض اس رعایت سے دل پسند ہو جاتے تھے۔

اُنکی کشیدگی نے ہزاروں کی جان لی　　وہ کھنچتے کھنچتے آپ ہی تلوار ہو گئے

نشست الفاظ سے بندش اتنی چست کر دیتے تھے کہ اگر کوئی لفظ کہیں سے ہٹا لیا جائے تو اسکا بدل دوسرا لفظ رکھا ہی نہیں جا سکتا تھا۔

نورِ کمالِ عشق سے ظلمت نہیں رہی　　آلودۂ مجاز حقیقت نہیں رہی

طرز بیان اسقدر صاف اور سچائی لیئے ہوئے کہ جو کچھ بیان فرماتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ درا صل خود موصوف پر گزر چکا ہے چنانچہ ایکبار اپنے ایک دوست کو غزل سنائی جسمیں مذاق شراب میں ذیل کا شعر بھی تھا۔

وہ تند و تیز پلائی ہے آج زاہد کو　　لکیر سینے پہ پیتے ہی پڑ گئی ہوگی

وہ حضرت اس رنگ میں بھی رنگے ہوئے تھے فرمانے لگے کہ خدا کی قسم جناب شہیر آپ نے ضرور کبھی شوق کیا ہے ورنہ ہرگز ہرگز یہ شعر کبھی نہیں نکل سکتا تھا۔

مضمون آفرینی کی یہ حالت تھی کہ بھدا سے بھدا متبذل سے متبذل قافیہ میں مضمون پیدا کرکے دکھلا دیتے کہ باید و شاید ایکبار حضرت داغ کے زمانہ میں طرح ہوئی۔ آستان دل۔ امتحان دل۔ اور استخوان کا قافیہ مشروط کر دیا۔ حضرت داغ نے تو رخ بھی نہ کیا۔ منشی امیر احمد صاحب نے البتہ فکر کی مگر وہی بالکل الگ رہتے ہوئے۔

"ہم نے کبھی سنا بھی نہیں استخوان دل"

لیکن جناب شہیر نے مضمون آفرینی کے جوہر دکھا دئے اور وہ شعر نکالا کہ صرف یہی اک شعر استادی کے لئے سند ہے۔

خلقت تھی ناتمام کہ تھا صرف خون گوشت ‏ ‏ ‏ پیوست ہو کے تیر بنا استخوان دل

رنگ شاعری طبیعت زیادہ تر تصوف کیطرف مائل تھی۔ اشعار جو ہوتے تھے وہ قریب قریب کل معرفت میں ڈوبے ہوئے رہتے تھے۔ پرانا رنگ زیادہ مرغوب تھا فرمایا کرتے تھے کہ اشعار صاف ہوں اور بس معرفت میں ڈوبے ہوئے ہوں۔

صورت وحدت آشکار دیدۂ امتیاز میں ‏ ‏ ‏ جوہر فرد رو نما آئینۂ مجاز میں

رنگ رخ جتنا اڑا یا عشق کی تاثیر نے ‏ ‏ ‏ لے لیا کچھ آپ نے کچھ آپ کی تصویر نے

زود گوئی شعر اسقدر جلد موزوں کرتے تھے کہ اگر کسی سے بیان کیا جائے تو شاید یقین نہ آئے۔ ایک بار ناصری مرحوم مجلس پڑھنے تشریف لائے۔ بعد مجلس انہیں واپس جانا تھا۔ کسی مشاعرہ کی طرح بھی ہوئی تھی۔ باتوں باتوں میں ممدوح سے کہنے لگے کہ افسوس وقت نہیں ہے ورنہ جناب کو ایک غزل کہنے کی تکلیف دیتا۔ ممدوح نے فرمایا۔ مصرعہ طرح بتائے ابھی آپکے

روانگی میں آدھ گھنٹہ ہے۔ ناصری صاحب نے بھی بلالحاظ تنگی وقت طرح بتادی اور نتیجہ یہ ہوا کہ چلتے چلتے پورے ستائیس شعر کی غزل تیار ہوگئی۔

دقت پسندی | یہ خاص بات تھی کہ جس قدر مشکل زمین ہوتی اتنا ہی بہتر غزل کہتے تھے۔ علاوہ بریں بہت سے قیود اپنے لئے لازم کرلئے تھے منادیٰ بلا حرف ندا کے کبھی نہیں کہتے تھے۔ سر بالفتح فارسی ترکیب کے ساتھ اور بالکسر بلا ترکیب استعمال کرتے تھے۔ "نون غنہ" بلا ترکیب ہرگز نہیں کہتے تھے بلکہ اگر ترکیب یا عطف نہ کرتے تو ہمیشہ "نون" کا اعلان کیا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ اکثر سامنے کے مضامین جو بلا ترکیب وعطف آسانی سے موزوں ہو سکتے تھے آپ کو مجبوراً چھوڑ دینے پڑتے تھے جبھی تو فرماتے ہیں۔

شہیر افسوس ہے پابندی عطف و اضافت سے نہیں تو اور کچھ بندش میں شانِ آتشیں ہوتی

اصلاح | شاگردوں کی اگرچہ بھرمار تھی اور ہر شہر میں ایک نہ ایک شاگرد آپ کا ضرور تھا جس میں خصوصیت کے ساتھ مولوی محمد رشید صاحب سہیل رئیس مچھلی شہری۔ سید محمد سلیم صاحب سلیم مرحوم مچھلی شہری۔ محمد ہادی صاحب ہادی وکیل مچھلی شہری۔ پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ شوق ڈپٹی کلکٹر سیتاپوری۔ محمد زکریا صاحب رحمت الغوی کوچپز۔ عبدالحمید خاں صاحب زیبا بی۔ اے کوئلی۔ اشتیاق احمد صاحب مشتاق سلونوی۔ حاجی مولانا ابوالحسن صاحب حیدری فاضل غازی پوری۔ شیخ باقر حسین صاحب وقار۔ ممتاز حسین صاحب مضطر جونپوری عزیز تر تھے۔ پھر بھی ہر ایک شاگرد کی غزل کی نہایت محنت سے اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ غزل کے کاغذ پر غلطیوں کو لکھ دیا بھی کرتے تھے تاکہ شاگرد ہمیشہ

کے لئے متنبہ و واقف ہو جائے۔ پورا شعر بہت کم کاٹتے تھے بلکہ زیادہ تر نقطوں کے الٹ پھیر سے معنی پیدا کر دیتے یا ایک آدھ لفظ گھٹا بڑھا کر شعر میں چار چاند لگا دیا کرتے تھے۔ ایکبار سید محمد سلیم صاحب سلیم یہ مطلع کہہ کر لائے

منہ دیکھی اُنکی باتیں ہیں دلپر اثر نہیں جو کچھ ہے وہ اِدھر ہے ذرا بھی اُدھر نہیں

آپ نے دوسرے مصرع میں ذرا سی تبدیلی کر کے مصرع یوں کر دیا

جو کچھ ہے آئینہ کے ادھر ہے اُدھر نہیں

اب شعر کہیں سے کہیں پہونچ گیا۔

منہ دیکھی اُن کی باتیں ہیں دلپر اثر نہیں جو کچھ ہے آئینہ کے ادھر ہے اُدھر نہیں

تصانیف: تین دیوان غزلوں کے ایک دیوان قصائد کا۔ ایک ضخیم ناول تصنیف فرمایا اور آخیر وقت میں ایک رسالہ بھی فن عروض میں لکھ ڈالا۔ لیکن افسوس ہے کہ صرف چند قصائد جدا جدا شائع ہو سکے بقیہ شائع ہونا تو درکنار دو دیوان غزلوں کے لاپتہ ہی ہو گئے۔ کچھ قصائد غائب ہوئے۔ پورا رسالہ فن عروض کا جو طبع ہونے کے بعد ایک مثال ہوتا غتر بود ہو گیا صرف ناول اور دو دیوان باقی رہ گئے اللہ اللہ خیر صلاح جس میں سے ایک دیوان خدا خدا کر کے شائع ہو رہا ہے مابقی انشاءاللہ شائع کرنے کی نیت ہے۔

آخری وقت: وفات سے چار پانچ برس قبل ہی تندرستی بہت خراب ہو گئی تھی ہائی بلڈ پریشر کا بیحد زور تھا۔ معدہ نہایت خراب ہو گیا تھا۔ غذا بہت کم

ہوگئی تھی۔ اطبار نے شعروشاعری کے لیے تاکید کر دی تھی کہ قطعی ترک کر دی جائے۔
لیکن پچھلے چھ ماہ سے لوگوں کے اصرار سے کہنا ہی پڑتا تھا۔ خوب جم کر علاج ہوا
سنہ ۸۷ء کے آغاز ہی میں طبیعت بہت کچھ سنبھل گئی۔ زبان میں لکنت پیدا
ہوگئی تھی مگر قطعی جاتی رہی۔ معدہ بھی بہت کچھ درست ہو چلا تھا کہ ناگہاں
۱۰ ماہ رجب شب جمعہ گیارہ بجے فالج منحوس نے اپنا اٹل حملہ کیا اور اسی
وقت چار بیٹے۔ دو بیٹیاں۔ پوتے۔ پوتی۔ نواسے۔ نواسیاں اپنی یادگار چھوڑ کر
دار فانی سے کوچ کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

خادم
سروش



حضرت شہیر مچھلی شہری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ فی المدح جنابِ خواجۂ سرورِ سرا خاتم الانبیاء صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہٖ

حسنِ ملیحانِ ہند ہے نمکِ خوانِ دل — ہے دہن زخمِ دل صباحت نمکدانِ دل
بڑھ گئی داغوں سے اور منزلت و شانِ دل — دیکھ لے دیکھا نہ ہو جس نے گلستانِ دل
روگ محبت کا ہے اک مرضِ لا علاج — موت ہے اسکی دوا مرگ ہے درمانِ دل
تنگئی جا کا گلہ کس لئے وحشت کو ہے — وسعتِ کونین سے کم نہیں میدانِ دل
راہِ غزل پر چلے توسنِ طبعِ رواں — کم نہیں اس کے لئے وسعتِ میدانِ دل

مطلع

خون سے ہر دم بھرا رکھتے ہیں ہم خوانِ دل — ناوکِ بیداد ہوں شوق سے مہمانِ دل
درد تھا اب آبلہ بنکے ابھرنے لگا — میرے چھپائے چھپا کب غمِ پنہانِ دل
صبر و سکون و قرار ہوگئے بیگانہ وار — چھوٹ گئے عشق میں سب یہ عزیزانِ دل
فوجِ خوشی منہزم لشکرِ غم سے ہوئی — جیت لیا عشق میں رنج نے میدانِ دل
سچ ہے کہ دیوانے کو کافی ہے بس ایک ہُو — نالۂ زنجیر ہے باعثِ افغانِ دل
زخمِ جگر سے کرے لطفِ نظر التیام — تارِ نگہ سے سلے چاکِ گریبانِ دل

قیدی زلفِ سیاہ کی کوئی لے کیا خبر　　ہے تو فقط دود آہ سلسلہ جنبانِ دل
عشق لبِ یار میں دیدۂ خونبار سے　　خاک میں ملنے لگے لعلِ بدخشانِ دل
دیکھ کر آئینۂ قلب میں تصویرِ یار　　اور بھی ششدر ہوئے دیدۂ حیرانِ دل
عیش و خوشی کا مکان آہ بہت دن رہا　　اب ہے خرابی کا گھر خانۂ ویرانِ دل
اِن کا نکلنا بھی ہے جان نکلنے کے ساتھ　　روح کے ہمراہ ہیں حسرت و ارمانِ دل
مصحفِ رخسار کے عشق کا دعویٰ ہے راست　　شک ہے تو اٹھوا نہ لو مجھ سے بھی قرآنِ دل
چھوڑ کے پہلو مرا ساتھ حسینوں کے ہے　　پریوں کے جھرمٹ میں ہے آج سلیمانِ دل
پھوٹ گئے آبلے سینۂ پر داغ کے　　ٹوٹ گئے آج سب میوۂ بستانِ دل
حسرت و امید کا جب سے ہوا قتل عام　　آنکھوں سے بہنے لگا خونِ شہیدانِ دل
ترک محبت کا عہد تو بہ رنداں ہوا　　نبھ نہ سکا چار دن عشق میں پیمانِ دل
جو ہو بلا گردِ یار کیوں نہ ہوں اُس پہ نثار　　دل مرا اُن پہ فدا میں ہوا قربانِ دل
تابِ سماعت بھلا اُس گلِ تر کو کہاں　　شورِ عنادل نہیں نالہ و افغانِ دل
ایک گھڑی بھی خیال آپ کا جاتا نہیں　　دل سے نکلتا نہیں یوسفِ زندانِ دل
ہجر میں ہے جوش زن آنکھوں سے دریائے اشک　　بھیس میں آنسو کے ہیں گوہرِ عمّانِ دل
وحشتِ دل قید میں اور زیادہ ہوئی　　ہوگئی زنجیر پا سلسلۂ جنبانِ دل
کاکلِ پیچانِ یار ہوگئی دامِ بلا　　اور بھی ابتر ہوا حالِ پریشانِ دل
کفر سے مانوس ہے دین سے بیزار ہے　　جب سے کہ عشقِ بتاں ہوگیا ایمانِ دل

مطلع موزوں کوئی اور سُنا اے شہیرؔ   سُن کے جسے شاد ہو دلِ سخندانِ دل

مطلع

پنجۂ وحشت بڑھا ہے جیب سے سوئے دامانِ دل   پاؤں نہ پھیلائے کیوں چاکِ گریبانِ دل
ہو چکینگے کیا تا اثر نالۂ و افغانِ دل   پھرتے رہیں دربدر خانہ بدوشانِ دل
اُٹھتی ہے رہ رہ کے ٹیس دُرد آتا ہی کیوں   عرش سے اونچا ہے کیوں نالۂ و افغانِ دل
غنچۂ خاطر کو ہے کس لئے پژمردگی   صرفِ خزاں ہو گیا کیوں چمنستانِ دل
تھا میں اسی سوچ میں آگئی جو بیکسی   میں نے کہا تو تو ہے واقفِ پنہانِ دل
بہرِ خدا صاف صاف مجھ سے بھی کچھ کر بیاں   مجھکو بھی معلوم ہو حالِ پریشانِ دل
سُن کے تب اُس نے کہا کہنے سے کیا فائدہ   آپ گھٹا دینگے کیا رنجِ فراوانِ دل
مونس و ہمدرد و یار کوئی نہیں جُز خدا   کس سے کہوں حالِ دل کون ہے پرسانِ دل
ہے تو فقط آسرا احمدِ مرسل کا ہے   جسکی محبت ہے فرض اور ہے ایمانِ دل
شافعِ روزِ جزا حضرتِ خیر الورےٰ   سیرگہِ لامکاں زینتِ ایوانِ دل
نعتِ نبی چھوڑ کر فکرِ غزل کیا ضرور   غیر کا مدّاح ہو کس لئے حسّانِ دل
مدحتِ حاضر میں اک مطلعِ موزوں پڑھوں   نغمہ سرا آج ہو مرغِ خوش الحانِ دل

مطلع

آپ کی رحمت اگر ہو نہ نگہبانِ دل   صدمۂ و آفات سے بچ نہ سکے جانِ دل
درس گہِ قدسیاں آپکا ہے قلبِ پاک   عقلِ کل ادنیٰ سا ہے طفلِ دبستانِ دل

سرمۂ مازاغ سے دیدۂ باطن کھلے ۔۔۔ نورِ یقین ہوگیا شمعِ شبستانِ دل
جلوہ گر اس میں خیال آپ ہی کا ہے مدام ۔۔۔ عرش سے بھی بڑھ کے ہے شان میں ایوانِ دل
ذاتِ خدا کو بھی ہے آپ کی خاطر عزیز ۔۔۔ مرضیٔ اللہ ہے تابعِ فرمانِ دل
داورِ ہر شش جہت مالکِ ارض و سما ۔۔۔ ہے شہِ دنیا و دیں آپ کا خاقانِ دل
جتنے کہ ہیں اہلِ دل بھرتے ہیں سب دم ترا ۔۔۔ تیری محبت کی روح اصل میں ہے جانِ دل
دل کو ہے الفت تری دل کی غلامی ہے فخر ۔۔۔ کیوں نہ ہوں میں داخلِ حلقہ بگوشانِ دل
کعبہ ہو یا لامکاں دونوں سے بڑھ کر یہ ہے ۔۔۔ خانۂ اللہ ہے آپ کا ایوانِ دل
تیری حمایت اگر دل نہ بڑھایا کرے ۔۔۔ مور سے کمزور ہو رستمِ دستانِ دل
گذرے ہیں جتنے نبی سب ترے مداح تھے ۔۔۔ تیری ثنا و صفت سمجھے تھے ایمانِ دل
حضرت سبطین ہیں مصحفِ ناطق کے جزو ۔۔۔ لختِ جگر ہیں ترے پارۂ قرآنِ دل
غیرتِ اظہار کا واسطہ دیتا ہوں میں ۔۔۔ آپ مٹا دیجئے حسرت و حرمانِ دل
آپ ہیں ابرِ کرم آپ ہیں بحرِ عطا ۔۔۔ جلد بجھا دیجئے آتشِ سوزانِ دل
مجھ سے نہ کہوائیے خود ہی سمجھ جائیے ۔۔۔ آپ سے پنہاں نہیں مطلبِ پنہانِ دل
چھوڑ چلا دل مجھے روکنے سے کیا رکے ۔۔۔ رہ نہیں سکتا ہیں اب دست بدامانِ دل
آپ جو سن لیں تو بس جمع ہو خاطر مری ۔۔۔ اور سے میں کیا کہوں حالِ پریشانِ دل
آپ کا دستِ شفا دردکا میرے دوا ۔۔۔ ہاتھ لگایا جہاں ہوگیا درمانِ دل
دل میں کہاں تک گھٹے ولولۂ جوشِ شوق ۔۔۔ قید میں کب تک رہے یوسفِ زندانِ دل

جانتے ہیں آپ سب مطلب ما فی الضمیر　　آئینہ ہے آپ پر صورتِ ارمانِ دل
عہدہ بر آ کس طرح ہو سکے قلب حزیں　　سینکڑوں افکار ہیں اور ہے اک جانِ دل
دلبری وہ کیا کرے جسمیں کہ ہو دلبری　　رکھے وہ دل کس طرح خود جو ہو خواہانِ دل
دل کی لگی میں کمی دیدۂ تر سے ہو خاک　　آنسوؤں سے کیا بجھے آتش سوزانِ دل
عرض یہ ہے آخری کب سے ہے اوجڑا ہوا　　کیجئے آباد پھر رہنا نہ ویرانِ دل
پانچ برس ہو چکے صبر کی طاقت ہے طاق　　کاہش و آلام میں جاتی ہے اب جانِ دل

قلب شبیر حزیں پاس میں اب ہے غمیں
اے شہ دنیا و دیں کھوئے حرمانِ دل

قصیدہ در منقبت غالب کل غالب مولنا علیؑ ابن ابیطالب

موسوم بہ گل مراد

کس گلبدن سے ہونے لگے ہمکنار پھول　　کس کے گلے کا رہتے ہیں ہر وقت ہار پھول
رہتے ہیں تمکنت سے سرِ شاخسار پھول　　دوشِ نسیم پر نہیں ہوتے سوار پھول
شبنم سے شب کو رہتے ہیں کیوں اشکبار پھول　　کیا عندلیب زار کے ہیں سوگوار پھول
غنچوں سے راز بستۂ قدرت کی ہے کشود　　دیتے ہیں درسِ معرفتِ کردگار پھول

سر پر انھیں چڑھاتے ہیں خوباں سر بلند ۔۔۔ عالی دماغیوں سے ہیں والا وقار پھول
کچھ کم نہیں مرے دلِ پر خوں کی بھی بہار ۔۔۔ یہ بھی برنگ لالہ ہے اک داغدار پھول
عارض کی سیر سے کبھی آنکھیں ہوئیں نہ سیر ۔۔۔ دم بھر ہوئے نہ دامنِ گلچیں کو بار پھول
یہ وجہ ہے جو رکھتے ہیں منہ صاف صبح کو ۔۔۔ شبنم سے شب کو دھوتے ہیں گرد و غبار پھول
بوتے ہیں کانٹے باغ میں صیّاد و باغباں ۔۔۔ بلبل کی کچھ خطا ہے نہ تقصیر وار پھول
زیرِ زمیں سے آتے ہیں بیچارے زر بکف ۔۔۔ لٹ جاتے ہیں چمن میں غریب الدیار پھول
دل صاف ہو تو جلوۂ عارض کی کیا کمی ۔۔۔ ہر دم دکھائیں آئینۂ بے غبار پھول
سنکی ہوئی ہے آج گلستاں میں کچھ ہوا ۔۔۔ جنبش ہے ڈالیوں کو تو ہیں بیقرار پھول
تربت شہیدِ ناز کی خالی نہیں رہی ۔۔۔ گل ہو کے بن گیا ہے چراغِ مزار پھول
گلہائے داغِ عشق کی ہر دم بہار ہے ۔۔۔ آتے ہیں سال بھر میں کہیں ایکبار پھول
ہاں اے شہیر رنگِ تغزّل تو ہو چکا ۔۔۔ اب باغِ منقبت میں دکھائیں بہار پھول

مطلع

کیا شاہدِ چمن کے ہیں آئینہ دار پھول ۔۔۔ دکھلاتے ہیں جو حسنِ عروسِ بہار پھول
جوشِ نمو کچھ ایسا ہے اردی بہشت میں ۔۔۔ ایک ایک شاخِ گل میں کھلے ہیں ہزار پھول
فصلِ بہار آگئی گلشن میں عید ہے ۔۔۔ پہنے ہوئے ہیں پیرہنِ زرنگار پھول
جوشِ طرب ہے باغ میں بلبل ہے نغمہ سنج ۔۔۔ سنتے ہیں ذوق شوق میں صوتِ ہزار پھول
کلیاں چٹک رہی ہیں گلستاں میں جابجا ۔۔۔ دیتے ہیں بلبلوں کو صدا بار بار پھول

ان بن کبھی نہ غنچہ و بلبل میں ہوگی اب
چھوڑا کریں چمن میں شگوفے ہزار پھول

ہنگامۂ سرور و بہارِ نشاط ہے
مے نوش کر رہے طلب بار بار پھول

پھولے نہیں سماتے جوانانِ بوستاں
کیا شاد۔ کیا نہال ہیں سب برگ بار پھول

نوروز کا ہے روز زمانہ میں عید ہے
خوبانِ روزگار سے ہیں ہمکنار پھول

ہے خرمی کا رنگ چمن میں چمن چمن
گلشن میں باغ باغ ہیں بے اختیار پھول

سرخوش ہیں ایسے بادۂ خم غدیر سے
منہ سے بھی اب لگاتے نہیں بادہ خوار پھول

ہے آج اُس کے جشن خلافت کی یہ خوشی
جس کی شمیم مہر سے ہیں عطر بار پھول

وہ جس کے دم سے باغ رسالت کی زیب ہے
جس کے مطیع حکم ہیں سب برگ۔ بار پھول

وہ جس کے بوئے خلق سے کونین بس گئے
نکہت سے جس کی پاتے ہیں رنگ بہار پھول

وہ جس کے زور پنجۂ و بازو کے سامنے
معلوم ہوتا تھا درِ خیبر کا بار پھول

دست خدا و بازوئے محبوب کبریا
جس پہ فرشتوں نے کئے اکثر نثار پھول

ضرغام حق امیر اُمم نائب رسول
گلزار دیں میں جس سے کھلے ہشت چار پھول

یعسوب دیں و قاعد غرّ المحجّلین ما
مجرے کو جس کے خم ہیں مع سنا خسار پھول

زوج بتول صہر نبی۔ مرتضیٰ علی
بھیجا خدا نے جس کے لئے عطر بار پھول

دم بھر رہے ہیں جس کا جوانان بوستان
جسکی ہوا میں کھلتے ہیں لیل و نہار پھول

مطلع۔ شہیر امدحتِ حاضر ہیں وہ سنا
اک تازگی کو جس کی نہ پہونچیں ہزار پھول

دربیش کیوں تجھے گل مضموں کی ہے تلاش
بکھرے ہوئے ہیں تیرے یہاں بیشمار پھول

مطلع

چاہیں نہ آپ تو نہ کھلیں زینہار پھول
دل تنگ فصل گل میں رہیں غنچہ وار پھول

جس راہ سے حضور چلے باغ کھل گیا
نقش قدم سے ہوگئے پیدا ہزار پھول

دوش نبی پاک پہ اسطرح آپ تھے
جس طرح جلوہ گر ہوں سر شاخسار پھول

رطب اللساں نہ وصف معلّی میں ہوں اگر
ہوجائیں خشک مثل لب روزہ دار پھول

گلشن سے پھیر لیں نظر لطف اگر حضور
حاصل نہ کر سکیں کبھی عزّ و وقار پھول

بے قدر ہی نہ دیدہ بلبل میں ہوں فقط
آنکھوں میں بھی کھٹکنے لگیں مثل خار پھول

شمع رخ حضور کا پرتو جو دیکھ پائیں
بلبل تو کیا ہے آپ ہوں پروانہ وار پھول

چاہیں اگر حضور تو ممکن محال ہو
گاؤ زمیں کی شاخ میں پھولیں ہزار پھول

مرضی پاک ہو تو ہمیشہ رہے بہار
واقف نہ ہوں خزاں سے کبھی زینہار پھول

ماہیت آپ چاہیں تو دم بھر میں دیں بدل
ہوجائیں پھول خار تو بنجائیں خار پھول

پائیں جو حکم بھرنے لگیں دم ہزار کا
کرلیں خوشی سے جبر کو بھی اختیار پھول

ہاتھ آئی جو خدا سے وہ شمشیر برق دم
ہم سنگ جس سے ہونیکو امیدوار پھول

ایسی سبک کہ برگ گل تر سے بھی خفیف
تلوار ہے کہ تیغ جواہر نگار پھول

صاف اسقدر کہ عارض محبوب جیسے ماند
دیکھیں جھلک تو باغ میں ہوں شرمسار پھول

ہر معرکہ میں جس نے کہ اعدا کے جسم پر
گلہائے زخم سے کئے ظاہر ہزار پھول

نخل حیات کرتی تھی کفار کے قلم
پھل دیتے کیا سپر کے دم کارزار پھول

رنگیں مزاجیاں بھی سخاوت میں کم نہیں — زخموں کے بانٹتی ہے دم گیر و دار پھول
کھلتی باغیوں کے خون سے گلرنگ اسقدر — کٹ جاتے دیکھ لیتے اگر اسکی دھار پھول
تعریف کیا میں اسپ سبک سیر کی کروں — قائم جو پھول پہ ہو تو سمجھیں نہ بار پھول
سرپٹ بھی دوڑے تو کوئی ٹوٹے نہ پنکھڑی — بالفرض بکھرے ہوں جو سر رہگذار پھول
باریک جلد برگ گل تر سے بھی لطیف — دیکھیں رگیں مہین تو ہوں شرمسار پھول
کلیاں ہیں یاسمن کی کہ اوس کی کنوتیاں — ہیں پاؤں شاخ گل تو سم راہوار پھول
ان انکھڑیوں کو دیکھ لے آہوئے چین اگر — نرگس کو جان لے کہ ہے اک بے وقار پھول
ہے اس سبک روی میں گراں قدر اسقدر — جس پھول پہ جمے وہ ہو عالی وقار پھول
پھولوں پر اس کے نعل کا پرتو اگر پڑے — دکھلائیں جلوہ مہ نو بار بار پھول
گلگشت کا اسی کے یہ فیض و طفیل ہے — دامن میں ہے بھرے ہوئے باد بہار پھول
فردوس ہے چمن در دولت کے سامنے — نرگس نگاہبان ہے تو ہے چوبدار پھول

قطعہ

احسان کش حضور کے سب انبیا رہے — بہر خلیل ہوگئی کس طرح نار پھول
احصائے وصف پاک سراسر محال ہے — گلزار منقبت میں تو ہیں بیشمار پھول
ہر شجر تر بفرض گل تر بھی ہو اگر — یا اور اسی طرح کے ہوں چنندہ ہزار پھول
شمہ بھی بوئے خلق علی کا نہ ہو بیاں — گویا ہزار بار ہوں مثل ہزار پھول
بس اے شہیر بس کہیں ترک ادب نہ ہو — کافی ہیں اس ولی کے بہر نثار پھول

ایسی زمین سخت میں یہ گل فشانیاں — ہر بیت میں دکھاتے ہیں کیا کیا بہار پھول

کانٹے بھی میرے حق میں اگر بوئیں نیش زن — ہو جائیں میرے واسطے یارب وہ خار پھول

پھولا پھلا رہے مری امید کا درخت — ہر شاخ آرزو میں لگے ہوں ہزار پھول

محشر میں اس قصیدہ کو میں پیش حق پڑھوں — مدح علی میں منہ سے جھڑیں بار بار پھول

گلہائے آفریں سے بھروں دامن مراد — پائے صلہ میں مدح کے مدحت نگار پھول

مداحِ علی سے یہ حاصل ہو مرتبہ
حوریں کریں بہشت میں مجھ پر نثار پھول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف ا

طائرِ جاں ہے یہی ہر نفسِ حق آگاہ کا
دم ہما بھرتا ہے ہر دم مرغِ بسم اللہ کا

دل میں دردِ عشق ہے عاشق ہوں میں اللہ کا
بول بالا عرشِ اعلیٰ تک ہے اپنی آہ کا

ذات ہی کیا۔ بلکہ اسمِ ذات تک بھی لاشریک
خالی ہے نقطے سے ہر اک حرف بھی اللہ کا

آبروئے دردِ دل۔ بے گریۂ الفت نہیں
وہ حسابِ عشق کیا جس میں نہ ہو مد آہ کا

وادیِ قدس اپنا صحرائے جنوں اے قیس ہے
پاؤں کیا۔ آنکھوں سے میں رکھ لیتا ہوں کانٹا راہ کا

سعی یکساں ہے۔ طریقِ جستجو ہے مختلف
تو ہی ہے مقصود ہر اک سالک و گمراہ کا

یہ مرا عشقِ مجازی ہے حقیقی واقعی
رخ سوئے دار الصنم ہے قصد بیت اللہ کا

کس قیامت کا وہ اے اہلِ نظر ہوگا حسین
عرصۂ محشر لقب ہے جس کی جلوہ گاہ کا

عشق کی سرکار میں فرقِ مراتب کچھ نہیں
ایک رتبہ ہے یہاں دونوں گدا و شاہ کا

جلوہ گر ہے دیدۂ عشاق میں وہ حسنِ پاک
جس طرف دیکھیں نظر آئیگا نور اللہ کا

ایک ہی ہیں یوں تو۔ دونوں حیدر و احمد امیر
فرق ہے لیکن مراتب میں وزیر و شاہ کا

۲۴ ماہ ستمبر ۱۹۱۹ء

نہ زیبِ عالمِ امکاں جو محبوبِ خدا ہوتا — تو ایسا کون ہوتا جو حبیبِ کبریا ہوتا
نبی کی قامتِ پُر نور کا سایہ ہی کیا ہوتا — برائے نام اگر ہوتا بھی تو ظلِّ خدا ہوتا
شبِ معراج اگر پردہ بھی اُٹھ جاتا تو کیا ہوتا — خدا اک سمت ہوتا اک طرف نورِ خدا ہوتا
شفیع المذنبیں تشریف لائے خیریت گذری — نہیں تو حشر میں ہم عاصیوں کا حشر کیا ہوتا
اگر یکتائیِ حُسنِ نبی پردہ اٹھا دیتی — حجابِ قدس کا رازِ خلا بھی برملا ہوتا
نہ لولاک اگر ہوتے نہ اصل مقصدِ خلقت — تو پھر کتمِ عدم میں جلوۂ ارض و سما ہوتا
چھوڑا کر مجھکو شہا ہند سے یثرب میں بلواتے — تو میرا کام ہوتا یا نبی۔ نام آپ کا ہوتا

لگاتا پھرتا پھیری رات دن یثرب کی گلیوں میں
ترے در کا فقیر اے شہ شہیرؔ بے نوا ہوتا

یہ آنکھیں کھلیں جب سے کیا کیا نہ دیکھا — مگر دیکھنا جس کو چاہا نہ دیکھا
یہ تنہائیِ وحشتِ غربت کی حد ہے — کبھی دھوپ میں اپنا سایا نہ دیکھا
بتوں کی جگہ اور عاشق کے دل میں — یہی سنگ و شیشہ میں یارا نہ دیکھا
اگر دید سے کام ہی کچھ نہ نکلا — تو کیا فائدہ جیسے دیکھا نہ دیکھا
لہو سے بھری اپنی چٹکی تو دھوئی — مگر تم نے میرا کلیجا نہ دیکھا
بُرا مان جاتیں وہ بیمار آنکھیں — یہ اچھا ہوا تجھکو اچھا نہ دیکھا
مری چشم پُر آب اب تم نے دیکھی — نہ کہتا کہ کوزے میں دریا نہ دیکھا

یہاں دیر میں کی زیارت بتوں کی   وہاں کچھ حرم میں نہ پایا نہ دیکھا
کہوں کیا شہیرؔ اس کی شوخی کا عالم
کہیں میں نے ایسا چھلاوا نہ دیکھا

پیاس پر اُسکی مرے دل کا بھی دل بھر آیا   جب زباں اپنی نکالے ترا خنجر آیا
بن کے ارمان مرے دل میں وہ خنجر آیا   ظالم آیا بھی تو کیا بھیس بدل کر آیا
سوئے دل شکر ہے اب ناوک دلبر آیا   ایک مہمان عزیز آج مرے گھر آیا
جب کبھی اُس نے پکارا ہے کسی غیر کو بھی   بول اُٹھا ہے یہ میرا دل مضطر آیا
غُل ہوا عاشقوں میں۔ ہے وہی پہچان لیا   مجمع حشر میں جب داور محشر آیا
بدنصیبی میں رہی کیفیت دور شراب   جام کی طرح جو گردش میں مقدر آیا
وہ چلے جب تو نقیبا نہ صدائیں دیتا   اُن سے پہلے مرے گھر فتنۂ محشر آیا
عدم آباد ہے کس طرح کا دلچسپ مقام   جو گیا پھر نہ وہاں سے کبھی پھر کر آیا
حُور و کوثر کے بھلاوے میں نہ رند آئینگے   تو نے۔ اے شیخ کہا۔ اور نہیں باور آیا
سامنا تھا جو کسی شوخ خود آرا کا شہیرؔ
عکس بھی آئینہ میں ٹھاٹ بدل کر آیا

جو بام پر وہ بُتِ بے نقاب آئیگا   نکل سکے گا نہ سورج حجاب آئیگا
ہزار پیری میں رنگِ خضاب آئیگا   مگر نہ کام یہ نقلِ شباب آئیگا
کبوترا سے دل مضطر شتاب آئیگا   ٹھہر ٹھہر۔ مرے خط کا جواب آئیگا

ابھی تو صرف لڑکپن کی شوخیوں کا ہے لطف — مزہ جب آئیگا جس دم شباب آئیگا
بہار آئی تو۔ توبہ ضرور ٹوٹے گی — کبھی نہ چین مجھے بے شراب آئیگا
عرق عرق نہ ہوں گرمی وصل سے کیونکر — بڑھیگا جوش تو کھینچکر گلاب آئیگا
کبھی تو جذب محبت اثر دکھائیگا — کبھی تو خط کا ہمارے جواب آئیگا

خبر پہنچے میں اُس رشک گل کی آمد کی
شہیر پھولوں میں میرے گلاب آئیگا

عرش وہ آستاں ہے گویا — گھر میں کرسی کی شان ہے گویا
اب خرابے سے ہُو کا عالم ہے — گر کے گھر لامکان ہے گویا
ظلم اس کا عروج پر اب ہے — پیر گردوں جوان ہے گویا
کیا دھواں چھا رہا ہے آہوں کا — یہ بھی اک آسمان ہے گویا
کتنی پیاری ہے نازکی تیری — ناتوانی کی جان ہے گویا
نیستی ہی ہماری ہستی ہے — بے نشانی نشان ہے گویا
تم اگر ہو تو لطف دنیا ہے — جان ہے تو جہان ہے گویا
ذکر حوروں کا ہے مرے آگے — یہ مرا امتحان ہے گویا
لب خاموش سے نہیں چلتی — لاکھ منہ میں زبان ہے گویا
تیر کرتا ہے خاطریں دل کی — اُلٹے خود میزبان ہے گویا
تیر سا تھا جو قد شہیر کبھی — اب وہ جھک کر کمان ہے گویا

گناہ سے نہیں منکر ضرور میں نے کیا — غفور تو ہے الٰہی قصور میں نے کیا
اسی نے مجھ سے جدا کر دیا مرے دل کو — جسے نہ دل سے کبھی اپنے دور میں نے کیا
کبھی نہ زاہد و واعظ کو پاس آنے دیا — ہمیشہ دور ہی سے دور دور میں نے کیا
نگاہِ پاک کی مستی ہوئی نہ دید میں کم — زیادہ کیف شرابِ طہور میں نے کیا
قرار و صبر گئے آہ ہو گئی خلوت — قریبِ دل جو تھے انکو بھی دور میں نے کیا
کسی میں شائبہ پایا نہ حسنِ جاناں کا — بہت مشاہدۂ نار و نور میں نے کیا

ہمیشہ سے ہوں شہیر اپنی بات کا میں دھنی
کہا جو منہ سے اُسے بالضرور میں نے کیا

مشاعرہ رائے بریلی ۲۴ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۳ء

نہ دمِ ذبح کوئی شور نہ کچھ شر ہوتا — آرزو تھی یہ گلا اور وہ خنجر ہوتا
اور پالیدہ تو اے فتنۂ محشر ہوتا — کسی خوش قد کے اگر پاؤں کی ٹھوکر ہوتا
اپنے آپے سے جو اُس بزم میں باہر ہوتا — میرا ہونا بھی نہ ہونے کے برابر ہوتا
خوش مزاجی کی ہوا بزمِ عزا میں بندھتی — میرے پھولوں میں جو دورِ مے و ساغر ہوتا
اس قدر لاف زن اے بت ترا قاصد کیوں ہے — جھوٹے دعووں سے نہیں کوئی پیمبر ہوتا
نیستی ہی کے لئے جب تھی یہ ساری ہستی — ایسے ہونے سے نہ ہونا کہیں بہتر ہوتا
دل نہ مل جاتے تو کیوں صلح سے آنکھیں لڑتیں — ٹیڑھے تم رہتے تو سیدھا نہ مقدر ہوتا
اچھے کہتے ہیں غزل گوئی میں تجھ سے وہ شہیر — حشو و تعقید کا جن کو نہیں کچھ ڈر ہوتا

غزل نعتیہ برطرح مرسلہ بسمل کراچوی ۱۳ / مئی سنہ ۱۹۱۶ء

مرے دل کو نہ کوئی اور آزار اے خدا دینا
مگر دردِ غمِ عشق محمد مصطفیٰ دینا

الٰہی غنچۂ افسردۂ خاطر کھلا دینا
مجھے اپنے حبیب پاک کا روضہ دکھا دینا

غلام اسکا میں ہوں جسکا لقب یسٰین و طٰہٰ ہے
فرشتو مرتے دم قرآن کی مجھ کو ہوا دینا

یہاں دنیا میں اپنے عشق سے جسطرح عزت دی
وہاں عقبیٰ میں بھی اے بادشاہِ دوسرا دینا

عجب لٹکا تجھے یہ یاد ہے اے زلفِ پیغمبر
پھنسا کر اپنے میں بندِ خلائق سے چھڑا دینا

یہی دو چیزیں قسامِ ازل سے میں نے مانگی تھیں
دلِ دردآشنا و عشقِ محبوبِ خدا دینا

مدینہ کے سفر کا کب سے بختِ خفتہ عازم ہے
ذرا اے نالۂ شب گیر اسکو بھی جگا دینا

فقیرِ عشقِ پیغمبر ہوں میں دیوانۂ الفت
صدا یہ گلیوں میں پھر پھر کہ شہا ہے بینوا دینا

۱۴ / مئی سنہ ۱۶ء

نہ اپنے کشتۂ غیظ و غضب کو تم بھلا دینا
بجائے گل لحد پر آکے تیوری ہی چڑھا دینا

ابھی تم عرصۂ محشر کو بھی مقتل بنا دینا
وہاں بھی ہاتھ سے اپنے نہ شمشیر ادا دینا

تیری رفتار بھی اے فتنہ قامت اک قیامت ہے
گزرنا جس طرف ہنگامۂ محشر مچا دینا

مرا دم گھٹ رہا ہے گرمئ شوقِ شہادت سے
ذرا شمشیر کے دامن سے اے قاتل ہوا دینا

فقیرِ عشق و الفت ہوں مرا تو یہ وظیفہ ہے
کسی کے پیارے منہ کی گالیاں کھا کر دعا دینا

ضرورت کیا ہے کیوں منت کشِ شورِ قیامت ہوں
لگا کر ایک ٹھوکر قبر سے مجھ کو اٹھا دینا

بلائے سے تمھارے کیا عجب ہے پھر پلٹ آئے ۔۔۔ ذرا پڑھکر ہماری عمرِ رفتہ کو صدا دینا
حضورِ داورِ محشر۔ بیان واقعاتی ہیں ۔۔۔ کبھی کچھ بھول جاؤں میں تو تم مجھکو بتا دینا
بڑھانا چوڑیاں ہرگز نہ پیارے پیارے ہاتھونکی ۔۔۔ ہمارے سوگ میں اس رسم ہی کو تم اٹھا دینا

شہیر اب چشمِ دریا بار سے اپنی یہ حالت ہے
جہاں جا بیٹھنا دم بھر وہیں طوفاں اٹھا دینا

طرح غنچۂ جاوید ماہ اگست ۱۹۰۸ء

زیادہ ساز و ساماں کچھ نہیں اے باغباں میرا ۔۔۔ بنا ہے چار تنکوں سے چمن میں آشیاں میرا
شباب بیوفا کی کس سے اے پیری خبر ملتی ۔۔۔ پھرا اب تک نہ جا کر قاصدِ عمرِ رواں میرا
وفاداری کے جوہر آپ ہو جائینگے آئینہ ۔۔۔ تمھیں خود حال کھل جائیگا وقتِ امتحاں میرا
رواں ہے قافلہ اشکوں کا ہر دم چشمِ گریاں سے ۔۔۔ چلا جاتا ہے روز و شب برابر کارواں میرا
ادائے عرضِ مطلب میں غضب کی کامیابی ہے ۔۔۔ عجب حسنِ طلب رکھتا ہے اندازِ فغاں میرا
تفاوت ہے زمین و آسماں کا عجز و نخوت میں ۔۔۔ خیالِ حسن و عشق اے دل کہاں انکا کہاں میرا

شبِ فرقت کا سویا شورِ صبحِ حشر سے چونکا
شہیر اس سے زیادہ ہوگا کیا خوابِ گراں میرا

غنچۂ جاوید ۱۶ر ستمبر ۱۹۰۸ء

تا دامنِ جاناں وہ رسا ہو نہیں سکتا ۔۔۔ جو ہاتھ کبھی دل سے جدا ہو نہیں سکتا
ہو سکنے کو یوں آپ سے کیا ہو نہیں سکتا ۔۔۔ ہو لاکھ۔ مگر عہدِ وفا ہو نہیں سکتا

سایہ سے بھی میرے ہے اثر ضعف کا ظاہر — جب تک نہ ہو دیوار کھڑا ہو نہیں سکتا
کیوں قتل کے اقرار میں تم کو ہے تامل — کیا عہد وفا ہے کہ وفا ہو نہیں سکتا
پیکان ترے تیر کا پیوست ہے دل میں — اب گوشت سے ناخن تو جدا ہو نہیں سکتا
آزار محبت مجھے اے چارہ گر ہے — میں قائل تاثیر دوا ہو نہیں سکتا
کیا داور محشر سے کروں شکوۂ بیداد — مجھ سے تو حسینوں کا گلا ہو نہیں سکتا
دل تم سے لگا کر میں کسی اور کو چاہوں — ایسا کبھی مجھ سے بخدا ہو نہیں سکتا
دشوار یہ ہے دل نہ بجھے آہ کشی میں — یک جا ہوں بہم شمع و ہوا ہو نہیں سکتا
صورت ہی بنا دیتی ہے ہر آن کو مشکل — بے حسن کے انداز ادا ہو نہیں سکتا
نخوت کا اُدھر ڈھنگ اِدھر عجز کا آہنگ — وہ مل نہیں سکتے میں جدا ہو نہیں سکتا
قاتل سے جو مل جائے وہ قاتل ہے کہ دل ہے — یہ دشمن جاں دوست مرا ہو نہیں سکتا

باز آیئے پیری میں تو اس بوالہوسی سے
اب بھی یہ شہیر آپ سے کیا ہو نہیں سکتا

مطبوعہ باغ سخن ماہ جولائی سنہ ۳۰ء

اے اجل آ۔ فراق یار میں آ — کب سے ہوں تیرے انتظار میں آ
کیا ترا کام وصل میں اے نیند — ہجر میں کل مرے مزار میں آ
کہتی ہے پائے شوق سے وحشت — سوئے صحرا ہوائے خار میں آ
جیتے جی سیر خلد کر اے شیخ — آ مرے ساتھ کوئے یار میں آ

اے غمِ مرگِ آرزو نہ بھٹک — تو مرے قلب سوگوار میں آ
جس طرح آتی ہے خوشی دل میں — یونہیں اے موت ہجرِ یار میں آ
اُن سے قول و قرار ہوتا ہے — اب تو اے دل زرا قرار میں آ
کنجِ عزلت سے لے شہیر نکل
بزمِ رندانِ بادہ خوار میں آ

غزل مشاعرہ آگرہ ۱۲ جولائی سنہ ۱۳ء

دم آج زیرِ خنجرِ قاتل نکل گیا — سب عمر بھر کا حوصلہ دل نکل گیا
ٹھہرا نہ دل میں ناوک قاتل نکل گیا — مہمان گھر میں ہوتے ہی داخل نکل گیا
آخر کلیم لا نہ سکے تاب برق طور — جتنا تھا زعم دعویٔ باطل نکل گیا
نورِ جمالِ یار کہاں آئینہ کہاں — حیران ہو کے مد مقابل نکل گیا
تم نے ادائے حسن میں ہمدردیاں جو کیں — قابو سے میرے اور مرا دل نکل گیا
بہرِ عیادت آئے وہ بعدِ اجل تو کیا — جو وقت تھا مرے لئے مشکل نکل گیا
خط دیکے اُن کے نام کا میں خود ہی شوق میں — ہمراہ نامہ بر کئی منزل نکل گیا
میری گلی سے شب کو نہ گزرا وہ رشکِ ماہ — کترا کے راستہ مہہ کامل نکل گیا
آنسو کی اب تری بھی پلک پر نہیں رہی — دریائے اشک چھوڑ کے ساحل نکل گیا
حیرت نہ کیوں ہو واعظِ ناداں کی علم پر — کیسا پڑھا لکھا ہوا جاہل نکل گیا
خونِ جگر کو پی کے ہوا ہو گیا وہ تیر — مطلب جب اُسکا ہو گیا حاصل نکل گیا

مقتل میں نعشِ کشتۂ بیدل پڑی رہی   بسمل تو رہ گیا دم بسمل نکل گیا
پھروں بہارِ کوچۂ جنت وہاں رہی   جس راہ سے وہ حور شمایل نکل گیا
اقرارِ ذبح کرکے نہ وعدہ کیا وفا   دیکر زبان خنجر قاتل نکل گیا

خالِ رخِ نگار جسے جانتے تھے ہم
آخر شہیر آنکھ کا وہ تل نکل گیا

آئینہ خانہ میں جب وہ جلوہ آرا ہوگیا   عالم وحدت میں کثرت کا تماشا ہوگیا
آستینیں فیضِ چشمِ تر سے موجیں بن گئیں   اشکوں سے دامن مرا درمانِ دریا ہوگیا
خاکساری سے صفائی قلب کے جوہر کھلے   راکھ کے ملنے سے آئینہ مصفا ہوگیا
آج وہ بے چارا بیمار محبت چل بسا   تم جسے کل تک سمجھتے تھے کہ اچھا ہوگیا
دردِ دل کو ساتھ لیکر بزم جاناں سے اُٹھا   بیٹھے بٹھلائے خدا جانے مجھے کیا ہوگیا
ذکر پر محرابِ ابرو کے جھکا سر شوق میں   آیت سجدہ کو سن کر فرض سجدا ہوگیا
زرد چہرا لب پر آہ۔ آنکھوں میں آنسو دل میں درد   چار ہی دن میں یہ کیسا حال میرا ہوگیا
بہتے بہتے بوند بوند آنسو کے سیلاب آگیا   قطرہ قطرہ جمع ہوتے ہوتے دریا ہوگیا

ہوگئے مشہور حسن و عشق سے دونوں شہیر
ہر جگہ چرچا مرا اور اُن کا شہرا ہوگیا

برطرح فرمائشی قلم برداشتہ جولائی ۱۹۱۸ء

دل نے سوز و غم و الفت کا سبق سیکھ لیا   مطلب و معنی مضمونِ ادق سیکھ لیا

عشق میں ہوتا ہے کس درجہ قلق سیکھ لیا ہم نے غمنامۂ الفت کا سبق سیکھ لیا
بعد مجنوں میں ہوا بادشہِ ملک جنوں کشورِ حُسن کا سب نظم و نسق سیکھ لیا
کاملِ فن ہوں نو آموزِ محبت نہیں اب سیکھ لینے کا جہاں تک کہ تھا حق سیکھ لیا
صدمۂ ہجر میں بے تابیٔ دل نے آخر غم سے جس طرح جگر ہوتا ہے شق سیکھ لیا
ہوشیاری سے بھی دیوانگی خالی نہ رہی عقل کو کھو کے محبت کا سبق سیکھ لیا
بیوفائی سے تری اور وفا سے اپنی میں نے الحق سبق ناحق و حق سیکھ لیا
جو پڑھایا ہمیں استادِ ازل نے وہ پڑھا جو سکھایا ہمیں فطرت نے سبق سیکھ لیا

کیوں ہو پروا مجھے اغلاق قوافی کی شہیر
میں نے جب قاعدۂ نظم و نسق سیکھ لیا

غزل تضمین بر مصرع طرح

فیض کا مبدا ر فیاض نے حق سیکھ لیا اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا
تو کریم اور الٰہی ترا محبوب کریم اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا
کیوں پیمبر کو نہ ہو امت عاصی کا خیال اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا
کیوں نہ ہو فیضِ اتم تیرے کرم کا ممنون اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا
تجھ سے رحمٰن و رحیمی کی صفت سے موصوف اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا
تیرے فیضانِ کرم سے ہے کرم بھی ممنون اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا
اک نمونہ تری رحمت کا ہے یہ فیضِ مطیر اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا

تر زباں سب صفت ابر کرم میں ہیں جیسی — اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا
جس میں جس میں ہے صفت جود و عطا ہے یارب — اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا

سب یہ تضمین میں اس طرح کے مصرع کی شہیر
اُس نے تجھ سے ہی کریمی کا سبق سیکھ لیا

۱۰ر اگست سنہ ۱۷ء

جمالِ شاہدِ یکتا کا جلوہ یار میں دیکھا — جو رنگِ حسنِ اصلی ہے گلِ رخسار میں دیکھا
تماشا یہ وہم نظارہ دیدِ یار میں دیکھا — کہ اپنا عکس اُس آئینۂ رخسار میں دیکھا
برابر ہی ہے حسن و عشق میں تعداد حرفوں کی — فقط واو و الف کا فرق نور و نار میں دیکھا
کرم میں بھی حسینوں کے ستم کی جنبہ داری ہے — دل آزاری کا پہلو بھی تو ان کے پیار میں دیکھا
دماغِ شیخ تھا پر نورِ شب کو جام بادہ سے — چراغ اک ہم نے روشن گنبدِ دستار میں دیکھا
ازل سے دیدۂ مشتاق جن جلووں کے جویا تھے — بحمد اللہ اب اس کو جمالِ یار میں دیکھا
چھپائے سے کہیں حسنِ جہاں افروز چھپتا ہے — اُسی کو نور میں دیکھا اسی کو نار میں دیکھا
لہو میں لاکھ ڈوبے خون کا دھبہ نہیں آتا — یہ جوہر بھی تمھاری تیغ جوہر دار میں دیکھا
نہیں ہیں مانعِ صحرا نوردی پاؤں کے چھالے — تمھارے وحشیوں کو وادیِ پر خار میں دیکھا
عیاں ہے پردہ داری میں بھی شانِ جلوہ آرائی — تماشا بے حجابی کا حجابِ یار میں دیکھا

لڑی ہیں جب شہیر آنکھیں کسی خورشید طلعت سے
شعاعِ مہر کا عالم نظر کے تار میں دیکھا

جنوری سنہ ۱۵ء

نہ نقاب رخ کو جس نے کبھی وقت خواب الٹا ‎ ‎ وہی ساتھ سو کے غیروں کے ہو بے حجاب الٹا
ہوا خط کا سے ہی جانا سبب عتاب الٹا ‎ ‎ کہ طلب ہے نامہ بر سے مرے اب جواب الٹا
تری ٹھنڈی گرمیوں نے مجھے خوب ہی جلایا ‎ ‎ تری سرد مہریوں سے ہوا دل کباب الٹا
میں دعائیں بھی اگر دوں تو وہ گالیاں سنائیں ‎ ‎ ہو سوال لاکھ سیدھا تو ملے جواب الٹا
مرے خط کو چاک کر کے دیا نامہ بر کو اُس نے ‎ ‎ کہا جا اسی کو لے جا یہی ہے جواب الٹا
تری دیکھ کر جوانی یہ مجھے بھی جوش آیا ‎ ‎ کہ ہوا یقین مجھکو مرا پھر شباب الٹا
شب و روز زیر و بالا ہوا کرتا ہے ازل سے ‎ ‎ مگر اے فلک نہ اب تک کبھی آفتاب الٹا
کہا مجھکو جس نے جو جو اسے چپکے سن لیا سب ‎ ‎ کبھی بھول کر کسی کو نہ دیا جواب الٹا
نہ ادا ہو قرض الفت کوئی لاکھ نقد جاں دے ‎ ‎ یہ ہے دفتر محبت کا عجب حساب الٹا
ہوئے مست بے پیے ہم جو گھٹائیں کالی اُٹھیں ‎ ‎ نہ ملی تو لفظ بارش کو پیئے شراب الٹا
وہاں انکی زلف پیچاں میں رقیب شانہ کش ہے ‎ ‎ یہاں ہو رہا ہے دل کو مرے پیچ و تاب الٹا
مرے بخت واژگوں کی یہ شہیر ہے برائی ‎ ‎ کیا کام بھی جو اچھا وہ ہوا خراب الٹا

شہ مشرقین حیدر نے شہیر جب بلایا
تو غروب ہو کے مغرب سے پھر آفتاب اُلٹا

۱۸ر نومبر سنہ ۹ء

میں تو دونوں طرح منت کش تیر یار ہوتا ‎ ‎ وہ اٹک کے دل میں رہتا کہ جگر کے پار ہوتا

تری رحمتوں کا کس منہ سے امیدوار ہوتا
جو نہ روسیاہ یارب میں سیاہ کار ہوتا

اگر اور جذبۂ دل مرا زوردار ہوتا
تو نہ لپنے گھر میں دم بھر بھی انھیں قرار ہوتا

جو ندامتِ معاصی سے نہ اشکبار ہوتا
تو شہیر میرا بیڑا بھی کبھی نہ پار ہوتا

یہ تھی منصفی ناوک رہا دل میں جو ترازو
کہ خلاف عدل ہوتا جو جگر کے پار ہوتا

اگر آگ کے جلے کی نہ دوا بھی آگ ہوتی
تو نہ سوزِ غم بھی۔ دل کا مرے غمگسار ہوتا

جسے رہتا رحمتِ حق سے غرورِ بے نیازی
وہ گناہ بھی نہ کرتا تو گناہ گار ہوتا

نہ نصیب ہوتا سایہ کبھی وادیِ جنوں میں
جو شجر بھی کوئی ملتا تو وہ خاردار ہوتا

نہ دہانِ زخم ہنستے نہ میں پھوٹ پھوٹ روتا
نہ جگر کا خون بہتا نہ میں اشکبار ہوتا

ہوا خوب جذبِ دل نے ترے تیر کو جو روکا
نہیں پھر نہ ہاتھ آتا جو جگر کے پار ہوتا

وہی ہاں نظر نظر تھی مرے دل سے جو گزرتی
وہی تیر تیر ہوتا جو جگر کے پار ہوتا

مرے قلبِ مضطرب کا تو مدار چرخ پر تھا
جو اسے سکون ہوتا تو اسے قرار ہوتا

مرے دل میں خارِ حسرت کی کھٹک ہی کیوں رہتی
کوئی تیر اے ستمگر جو جگر کے پار ہوتا

جو دہانِ زخمِ دل میں نہ زبان بنتا خنجر
تو نہ رازِ دستِ قاتل کبھی آشکار ہوتا

مرے اک کراہنے پر تو ہے اتہامِ نالہ
کوئی اور اٹھتا طوفاں اگر اشکبار ہوتا

دمِ نزع ایک ہچکی سے نہ آہ ٹوٹ جاتا
جو شہیر کچھ بھی تارِ نفس استوار ہوتا

جنوری سنہ ۱۹۲۰ء

چشمِ جاناں نے مریضِ غم کو اچھا کر دیا
مردمِ بیمار نے کارِ مسیحا کر دیا

دل سے نالوں نے نکل کر فاش پردا کر دیا
خود بھی رسوا ہو گئے مجھکو بھی رسوا کر دیا

رُو کے اس محفل میں رازِ عشق افشا کر دیا
چار ہمچشموں میں ان آنکھوں نے رسوا کر دیا

جامِ مے منہ سے لگاتے ہی ہوئی بک بک شروع
مجھکو اے ساقی لبِ ساغر نے گویا کر دیا

یا وہ عزت تھی مری یا اب ہے یہ ذلت میری
عشقِ ناانصاف نے کیا سے مجھے کیا کر دیا

اُنکی آمد سُن کے یوں گھر میں کیا اظہارِ شوق
کھول کر ہر در کو آغوشِ تمنا کر دیا

رات کو کیوں میرے گھر آنے کی کھا بیٹھے قسم
ہائے یہ اندھیر کیا اے ماہِ سیما کر دیا

حسنِ پردہ در تمہارا عشق بے پروا مرا
مل کے ان دونوں نے ہم دونوں کو رسوا کر دیا

دیکھتے ہی سے ہوس بھی دیکھنے کی بڑھ گئی
شربتِ دیدار ہی نے اور پیاسا کر دیا

ایک دل ہی تو رفیقِ راہِ غربت تھا مرا
اُس سے بھی تم نے چھڑا کر مجھکو تنہا کر دیا

جوشِ گریہ میں بھی اک آنسو نہ ٹپکا آنکھ سے
بند میرے ضبط نے کوزے میں دریا کر دیا

یہ نہ سوجھا ہے نظر بازی میں خطرہ جان کا
شوقِ بے حد نے مجھے الفت میں اندھا کر دیا

ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا دعوتِ غم کے لئے
صرفِ گریہ میں نے سب خونِ تمنا کر دیا

کسطرح ٹھہرا لیا اے قاتلِ دلِ بیتاب کو
کون سی بوٹی تھی کشتہ جس سے پارا کر دیا

خیر دل لیجاؤ مجھ بیکس کا والی ہے خدا
دیگا وہ نعم البدل تم نے تو تنہا کر دیا

یہ شرارت تھی شبِ غم کی کہ میری نبض نے
دستِ عیسیٰ کو جلا کر دستِ موسیٰ کر دیا

بارِ احساں اور مردے پر ہمارے رکھ دیا — تم نے کاندھا دے کے کیوں بھاری جنازہ کر دیا

سینۂ سوزاں پر اس نے ہاتھ رکھ کر اے شہیر
عاشقِ دل تفتہ کا ٹھنڈا کلیجا کر دیا

مارچ سنہ ۲۰ء

دل نے اثرِ کاوشِ مژگاں نہیں دیکھا — آنکھوں سے رواں خونِ رگِ جاں نہیں دیکھا
کیوں پھر مجھے اے عیسیِٔ دوراں نہیں دیکھا — کیا درد مرا قابلِ درماں نہیں دیکھا
بے جان دئے کوچۂ جاناں نہیں دیکھا — جب تک نہ مرے روضۂ رضواں نہیں دیکھا
رستہ نہ ملا اس کو بیابانِ جنوں سے — جس نے کہ مرا چاک گریباں نہیں دیکھا
بڑھ بڑھ کے جبھی شیخ بناتا ہے یہ باتیں — اس نے کوئی غارتگرِ ایماں نہیں دیکھا
جس دشت میں ہے راہنما وحشتِ الفت — تم نے اسے اے خضر بیاباں نہیں دیکھا
ٹکرا نہ کہیں سے بھی ملا دستِ جنوں کو — جب تک کہ در چاک گریباں نہیں دیکھا
داغوں سے ہے کیا رشکِ چمن پہلوئے وحشی — ایسا کہیں صحرا میں گلستاں نہیں دیکھا
بھولا ہوا ہے شیخ حرم اپنے حجر پر — اس نے ابھی سنگِ درِ جاناں نہیں دیکھا

جز اس بتِ کافر کے شہیر آنکھوں نے اب تک
غارت گرِ دیں رہزنِ ایماں نہیں دیکھا

جنوری سنہ ۲۱ء

فراقِ شمع و تن کیا ہے وصالِ یار ہو جانا — خوشی عشق کیا ہے جان سے بیزار ہو جانا

نہ میرے مرتے پڑے ناتوانی بار ہو جانا میں مرجاوں تو جاکر نازکی یار ہو جانا
خوشی سے توڑ ڈالوں آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو جو ممکن ہو حسینوں کے گلے کا ہار ہو جانا
خودی سے در گزرنا یہ جو دان عشق و الفت کا حقیقی معنوں میں غفلت سے ہے ہشیار ہو جانا
تمہارے تیروں کو روکے ہوئے ہے جذبۂ فطری نہیں کچھ دل لگی قلب و جگر کے پار ہو جانا
کوئی پوچھے نہ پوچھے لے نگاہِ واپسیں تجھ سے مگر تو ترجمانِ حسرتِ دیدار ہو جانا
لئے دل دوڑے آتے ہیں خریداروں کا مجمع ہے مبارک آپکو ہو یوسفِ بازار ہو جانا
شباب آیا تو آیا تھا مگر شوخی نے آفت کی وہی تلوار کیا کم تھی پھر اُس پر دھار ہو جانا
یہ سمجھا کر سلایا موت نے مجھ کو شبِ فرقت طلوعِ صبحِ محشر ہو تو تم بیدار ہو جانا
پسیجا دل، ترس آیا۔ چلے آئے عیادت کو مبارک ہو گیا مجھکو مرا بیمار ہو جانا

اگر تم کو شہیر ایسا ہی شوق پائمالی ہے
تو اپنے کو مٹا کر خاکِ راہِ یار ہو جانا

جولائی ۲۲ء

یہ کہاں لایا کہاں سے پھیر مجھکو راہ کا آ گیا بت خانے میں تھا قصد بیت اللہ کا
جانتے ہیں اہلِ دردِ دلے عشق رتبہ آہ کا یعنی حرفِ اول و آخر ہے وہ اللہ کا
عالمِ غربت میں کافی ہے یہی رختِ سفر زیبِ تن پیراہن خاکی ہے گردِ راہ کا
آسرا عمرِ دو روزہ کا ہے طولِ امل اوڑھنا ہے سر سے تا پا چادرِ کوتاہ کا
قعر میں تہ تک پہونچ سکتی نہیں سطحی نظر ہے محیطِ عشق میں دشوار۔ پانا تھاہ کا

عرضِ مطلب کے لئے خود تھی مری صورتِ حال   آپ ہی پیغامبر تھا آپ ہی پیغام تھا

تھا شہیرؔ از بس میں مست بادۂ خمِ غدیر
ساقیِ کوثر کا مرتے دم بھی لب پر نام تھا

نومبر سنہ ۳ء

زمزمہ سنجی کا مرغانِ چمن میں جوش تھا   صبح دم جو گل جہاں تھا وہ ہمہ تن گوش تھا
کر دیا نورِ جمالِ یار کو برقِ جلال   ایک جلوہ طور کا غارت گر صد ہوش تھا
دنیا کاندھا کیا مرے تابوت کو وہ نازنیں   جس کو بارِ سایۂ کاکل وبالِ دوش تھا
صبحِ رخصت اُنکے جانے سے جو پہلے چل دئے   وہ دلِ بیتاب کا صبر اور میرا جوش تھا
شبِ جوانی کی کٹی پیری میں آیا خوابِ مرگ   صبحدم گویا چراغِ زندگی خاموش تھا
گرمِ صحبت دونوں تھے خمخانۂ توحید میں   حسن ساقی تھا اگر تو عشق بادہ نوش تھا
ٹپنے لگتی تھی لہو خود پھٹ کے رگہائے جنوں   فصلِ گل تھی خون میں سودائیوں کے جوش تھا
خاکِ آزادی سے کرتا سیرِ صحرائے جنوں   ہر قدم پر تو بچھا دامِ فریبِ ہوش تھا

پھول زخموں کے کھلے تھے میرے اعضا پر شہیرؔ
میں سراپا فیضِ تیغِ ناز سے گل پوش تھا

ردیف ب

سنہ ۱۳۲۰ء

چاند کیا ہوگا رخِ پر نورِ قاتل کا جواب　　غیر ممکن ہے کہ ناقص سے ہو کامل کا جواب
وصل میں مل کر مرا دل ہے ترے دل کا جواب　　آج اُجڑا جھونپڑا ہے عیش منزل کا جواب
اپنے منہ بھر پا تو پیتے یہ دہانِ زخمِ دل　　سن تو لیتے کچھ لبِ شمشیرِ قاتل کا جواب
سرخرو رنگِ حنا ہے دستِ قاتل چوم کر　　کیوں نہ اب اپنے کو سمجھے خونِ بسمل کا جواب
خونِ ناحق کی مرے دنیا میں کیا پرسش ہوئی　　اب جو محشر میں لیا جائیگا قاتل کا جواب
نوجوانی نے لگائے اور تم میں چار چاند　　ہو گئے چودہ برس میں ماہِ کامل کا جواب
اپنے عاشق پر سبھی معشوق کرتے ہیں ستم　　حشر میں تھا کس صفائی سے یہ قاتل کا جواب
یوں تو ہر اک اپنے پہلو میں لئے پھرتا ہے دل　　پھر بھی لاکھوں میں نہیں ملے بت مرے دل کا جواب
جو تمہارا گھر ہے وہ کونین میں بے مثل ہے　　تم ہو جس دل میں نہیں دنیا میں اس دل کا جواب

دیکھنا سوزِ سخن سے بڑھتے بڑھتے اے شہیر
میرے دل کا آبلہ ہو جائیگا دل کا جواب

حشر میں مقتول کو سوجھا نہ قاتل کا جواب　　خونِ ناحق میرا ٹھہرا سعیِ باطل کا جواب
اُن کا گھر ہی جب کہ دل ٹھہرا تو کیا دل کا جواب　　منزلِ قرآں نہیں ہے اُن کی منزل کا جواب

غمزدوں کی بدنصیبی آپ اپنی ہے مثال　　　پھوٹی قسمت ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل کا جواب
اک ہلال عید قرباں ہے سو وہ بھی چرخ پر　　　کوئی دنیا میں نہیں شمشیر قاتل کا جواب
بادہ خواری میں بھی ہے جلوہ صفائی قلب کا　　　صوفیو مینائے مے ہے شیشۂ دل کا جواب
انجمن افروزی کثرت میں ہے وحدت کی شان　　　اک چراغ طور ہے اس شمع محفل کا جواب
بحث کرنا حرمت مے میں ہے واعظ سے فضول　　　جز خموشی اور کیا ہے ایسے جاہل کا جواب
وصل ہاں ترک ادب کے خوف سے دشوار ہے　　　ورنہ ہے آسان اُس ارشاد مشکل کا جواب
وہ اگر بجلی گراتا ہے تو یہ افلاک کو　　　رعد کیا ہوگا ہمارے نالۂ دل کا جواب

جل رہا ہے دل ہجوم یاس و حرماں سے شہیر
یہ بھی سوز غم سے ہے اُس شمع محفل کا جواب

صورت ابر بہاری روز و شب　　　رہتی ہے اب اشک باری روز و شب
یہ ہے اب حالت ہماری روز و شب　　　رہتے ہیں مصروف زاری روز و شب
بے خودِ عشق آپ میں کس وقت آئیں　　　جب غشی رہتی ہو طاری روز و شب
رہتی ہے چشم تصور کے حضور　　　کوئی صورت پیاری پیاری روز و شب
آہ و شیون کی بھی آخر کچھ ہے حد　　　تا کجا فریاد و زاری روز و شب
بلبلیں بھرتی ہیں آہیں دم بدم　　　چلتی ہے باد بہاری روز و شب
دل کو بہلاتی نہ اُن کی یاد اگر　　　کون کرتا غم گساری روز و شب
منتظر انکی سواری کی شہیر　　　رہتی ہے باد بہاری روز و شب

ردیف پ

جنوری سنہ ۱۲ء

دن کو بھی میرے سیہ خانہ میں کب آتی ہے دھوپ — داہنے بائیں سے کترا کر نکل جاتی ہے دھوپ
نالہ ہائے گرم سے آتشکدہ ہے گھر مرا — جب در و دیوار پر چڑھتی ہے جل جاتی ہے دھوپ
گرمیٔ حسنِ جوانی سے بڑھے کیونکر نہ روپ — دوپہر کے وقت بیشک تیز ہو جاتی ہے دھوپ
دیتی ہے صحرائے بے سایہ میں دن بھر میرا ساتھ — شام کو سورج جہاں ڈوبا چلی جاتی ہے دھوپ
بیٹھنے دیتی نہیں اُس سایۂ دیوار میں — میں جہاں پہونچا کہ فوراً ہی اُتر آتی ہے دھوپ
اوس کھا کھا رات بھر ٹھنڈا جو ہو جاتا ہوں میں — دن کو صحرائے جنوں میں خوب گرماتی ہے دھوپ

کیف بادہ سے نہیں اس رخ کی بڑھتی ہے ضیا
اے شہیر آئینہ کو جسطرح چمکاتی ہے دھوپ

ردیف ت

دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء

میرے پہلو میں ہے وہ رشکِ قمر آج کی رات — جا کے غیروں میں سہے درد جگر آج کی رات
نیند کا وصل میں ہوگا نہ گزر آج کی رات — رت جگا آ کے کریگی مرے گھر آج کی رات

کس کے گھر جائیگا وہ رشکِ قمر آج کی رات　　چاند نکلیگا خدا جانے کدھر آج کی رات
یہ شبِ وصل شبِ ہجر سے یارب بڑھجائے　　روزِ فردا کی کبھی ہو نہ سحر آج کی رات
زلف کی آڑ میں دل لے اُڑی شوخیِ نگاہ　　پاگئی ڈھونڈھتی تھی جسکو نظر آج کی رات

قطعہ

کٹنے والی نظر آتی نہیں یہ ہجر کی شب　　ہو نہیں سکتی کسی طرح بسر آج کی رات
نہ کسی سمت سے آوازِ اذاں آتی ہے　　بولتا ہے نہ کہیں مرغِ سحر آج کی رات
رخصت اے زیست کہ شامِ شبِ غم آتی ہے　　اپنا اس دارِ فنا سے ہے سفر آج کی رات
زندگانی کا نتیجہ ہے یہی مدتِ وصل　　حاصلِ عمر ہیں یہ چار پہر آج کی رات

کیا شبِ وصل بھلا دخل حیا کا ہے شہیر
کہدو جا بیٹھے پسِ پردۂ در آج کی رات

جنوری ۱۹۱۷ء

تیرے لئے غیرتِ یوسف ہیں خریدار بہت　　اندنوں بڑھ گئی ہے گرمیٔ بازار بہت
اک دلِ زار مرا اور دل آزار بہت　　ہائے تنہا یہ ستم کش ہے ستمگار بہت
دل ہو تو دلدہی کرنے کو ہیں دلدار بہت　　مال اچھا ہو تو لینے کو خریدار بہت
خانہ بربادوں کو ایوان و مکاں سے کیا کام　　بے گھروں کو ہے ترا سایۂ دیوار بہت
سر سے تو کچھ نہیں سودائے محبت میں کمی　　دل سلامت ہے تو مل جائینگے دلدار بہت
اٹھو کمرے میں چلیں لطف سے آرام کریں　　منہ برستا ہے یہاں آتی ہے بوچھار بہت

طے کروگے ہیں رہ عشق کو پامردی سے دشت و کہسار ہوں یا وادیٔ پرخار بہت
آپ کی باتوں میں واللہ مزہ آتا ہے مجھکو مرغوب ہے شیرینیٔ گفتار بہت
ارد گرد آپ کے گھر کے ہے ہجوم عشاق پیشِ دروازہ بہت ہیں پسِ دیوار بہت
جو شہیر ان کی ادا ہے وہ کسی کی بھی نہیں
یوں تو ہونے کو ہیں دنیا میں طرحدار بہت

ردیف ٹ

خوبصورت ہے جیسا تیرا پیٹ ایسا دیکھا نہیں کسی کا پیٹ
دیکھ کر بھوک پیاس مرتی ہے روح پرور ہے پھر بھی ان کا پیٹ
نعمتِ فقر و فاقہ مستی سے سیر ہوں میں بھرا ہے میرا پیٹ
روز پیتی ہے خون ان کی تیغ پھر بھی بھرتا نہیں ہے اسکا پیٹ
مست ہیں انکی چشم مست سے ہم بے پیئے بھر گیا ہے اپنا پیٹ
پی کے رندوں میں شور و غل اُٹھا کیوں نہ چہکیں بھرا ہے اُنکا پیٹ
اے شہیر اک غم معیشت سے
کتنا بدنام ہے بچارا پیٹ

ردیف ث

فروری سنہ ۱۸[illegible]ء

اے دل امید وصل کی رکھتا ہے تو عبث ممکن نہیں۔ محال کی ہے آرزو عبث
حرماں نصیبوں کو ہے تمنا کی خو عبث حسرت عبث امید عبث آرزو عبث
دل پاک ہو تو تن کی نہیں شست و شو عبث نیت نماز کی ہو تو کیوں ہو وضو عبث
بے یار سیر باغ و گل و رنگ و بو عبث ساقی نہیں تو شیشہ و جام و سبو عبث
تدبیر اندمال جراحت فضول ہے کرتے ہیں میرے چاک جگر کو رفو عبث
میں ماتمی ہوں حسرت مردہ کا آپ ہی مجھکو ستا نہ اے دل پر آرزو عبث
گردن کی رگ سے بھی وہ زیادہ قریب تھے ناحق پھرے ہم ان کے لئے کو بکو عبث
مرقد میں منہ مرا سوئے میخانہ پھر گیا لوگوں نے لاش دفن ہی کی قبلہ رو عبث

تم منہ لگو نہ واعظ و ناصح کے اے شہیر
بیہودہ گو ہیں ان کی ہے سب گفتگو عبث

مارچ سنہ ۱۸[illegible]ء

چڑھی جاتی ہے تیوری غصہ میں اے یار کیا باعث کھنچی ہی جاتی ہے ہر دم تری تلوار کیا باعث
ترا پڑھتے ہیں کلمہ کافر و دیندار کیا باعث نہیں ہے اب نزاع سبحہ و زنار کیا باعث

جو ہر دم میان سے باہر رہا کرتی تھی چار انگل — کمر سے اب نہیں کھنچتی وہی تلوار کیا باعث
پڑا ہر چند پالا بھی بتوں کی سرد مہری سے — ہوئی ٹھنڈی نہ لیکن آہ آتشبار کیا باعث

شہیر اسطرح میں گو قافیوں کی کچھ نہیں تنگی
ردیف اکثر مگر ہو جاتی ہے بیکار کیا باعث

ردیف ج

۱۷ر اگست سنہ ۱۹ء

سیر دریا میں اُنھیں سرگرم جب پاتی ہے موج — پیچھے پیچھے پیچھے پھر سے کے کوسوں چلی جاتی ہے موج
دیکھکر اُن کو کنار آب لہراتی ہے موج — جب چلے جاتے ہیں سر ساحل سے ٹکراتی ہے موج
گاہ دامن چشم تر پر رکھتے ہیں گاہ آستیں — جوش پہ ہے بحر گریہ موج پر آتی ہے موج
آہ و گریہ سے خس طوفانی دریا ہوں میں — رخ ہوا کا جسطرف پاتی ہے لیجاتی ہے موج
ایک قطرہ بھی نہیں میخانہ بھر میں چھوڑتے — جبکہ دریا نوشوں کو پینے کی آجاتی ہے موج
پاؤں دھونے بیٹھتے ہیں جب کنار آب وہ — شوق پابوسی میں تا ساحل چلی آتی ہے موج

دیدۂ پر آب سے اُٹھتا ہے جب طوفان اشک
آسمانوں سے شہیر اوپر گزر جاتی ہے موج

۲ر دسمبر سنہ ۱۹ء

سو طرح کے وہم مجھ بیمار کو ہوتے ہیں آج — دیکھنے والے مری صورت کے کیوں روتے ہیں آج

چونکتے تک بھی نہیں گو شور ماتم ہے بلند — اے اجل یہ کیسی گہری نیند ہم سوتے ہیں آج
اب قیامت تک نہ ہم چھوڑینگے دامن آپ کا — ہاتھ سے۔ ہاتھ آئی دولت کو کہیں کھوتے ہیں آج
میں نے کل تک جانفشانی جنکی سرسبزی میں کی — حیف ہے کانٹے مرے حق میں وہی بوتے ہیں آج
ہائے اٹھا ہے جنازہ کس جوانا مرگ کا — دوستوں کی طرح دشمن تک جسے روتے ہیں آج
کل شب فرقت اٹھائے تھے جو سر پہ آسماں — پاؤں پھیلائے وہی زیر زمیں سوتے ہیں آج
چٹکیاں لینا ہے یہ چٹکی بجا کر پوچھنا — کیوں لگایا آپ نے دل پہلے جو روتے ہیں آج
زانوئے غم سے نہ ہم نے سر اٹھایا کوئی دم — شام ہونے آئی بیٹھے صبح سے روتے ہیں آج
شام غم آتے ہی مجھ سے کہتے ہیں میرے نصیب — نیند آئے یا نہ آئے تمکو ہم سوتے ہیں آج
حشر میں دیتے ہیں میرا ساتھ یا اس شوخ کا — دیکھنا ہے حضرت دل کسطرف ہوتے ہیں آج
اے اجل تو نے ملایا خاک میں کس کا شباب — دوست دشمن دونوں جسکی قبر پہ روتے ہیں آج

کل وہاں دار الجزا میں پائینگے حاصل شہیر
ہم یہاں اس مزرعۂ دنیا میں جو بوتے ہیں آج

ردیف چ

۲۹ دسمبر سنہ ۲۰ء

شہ نہ دیتے جو مری شامت تقدیر کے پیچ — پھانستے دل کو نہ اُس زلف گرہ گیر کے پیچ
سلسلہ قطع مری باتوں کا کر دیتے ہیں — کاٹ دیتے ہیں وہ سب رشتۂ تقریر کے پیچ

آج مکاریوں کا شیخ کے سر ہے سہرا
کیوں نہ دستارِ ریائی میں ہوں تزویر کے پیچ

صاف کیونکر ہو وہ گتھی جو ازل سے ہو پڑی
زورِ تدبیر سے کھلتے نہیں تقدیر کے پیچ

رنگ خونناب جگر دستِ حنائی نے لیا
زلفِ پیچاں نے اڑائے مری تقدیر کے پیچ

ہو کے صد چاک بھی دل شانۂ گیسو نہ بنا
پیچ ہے تقدیر سے چلتے نہیں تدبیر کے پیچ

ہے یہ مطلب نگہِ شوق نظر بستہ رہے
میں سمجھتا ہوں تری شوخیٔ تحریر کے پیچ

موشگافی تو مصور نے بہت کی لیکن
نہ کھلے پر نہ کھلے گیسوئے تصویر کے پیچ

زلف کے بل تو مرے دودِ جگر سے نکلے
بارے قائل تو ہوئے آہ کی تاثیر کے پیچ

خط طغریٰ میں رقم نامۂ جاناں ہے شہیر
الجھے ہیں تارِ نظر سے مری تحریر کے پیچ

ردیف ح

۱۴ر دسمبر سنہ ۲۰ء

یادِ ساقی میں بھر آیا دل جو مینا کی طرح
چھلکے آنسو آنکھوں کے ساغر سے صہبا کی طرح

ضبطِ گریہ میں بھر آیا دل جو مینا کی طرح
پی گیا میں آنسوؤں کو اپنے صہبا کی طرح

میری ہستی بھی ہے اسمِ بے مسما کی طرح
بس برائے نام ہوں ہونے کو عنقا کی طرح

پڑ کے اُس کوچہ میں صرف پائمالی ہو گیا
مٹتے مٹتے مٹ گیا نقشِ کفِ پا کی طرح

وائے ناکامی کہ جب آتے بھی ہیں وہ خواب میں
آنکھیں کھل جاتی ہیں آغوشِ تمنا کی طرح

ترک یاروے دو روزہ زندگی پر کیا کریں — ہمکو کچھ جینا نہیں خضر و مسیحا کی طرح
ہے حرارت سے رگ برق تجلی میری نبض — دست عیسیٰ ہو نہ جائے دست موسیٰ کی طرح
ہر جگہ ہر گھر میں جلوہ ہے تمھارے حسن کا — عام فیض اس کا ہے مہر عالم آرا کی طرح

شاعران ہند میں یہ غیر ممکن ہے شہیر
سر برآوردہ ہو کوئی میر و سودا کی طرح

۱۵ر دسمبر سنہ ۲۰ء

دیکھنے میں ہے مے انگور پانی کی طرح — ہے اثر میں لیکن آب زندگانی کی طرح
بے وفا ہے زندگانی بھی جوانی کی طرح — جان لو عمر رواں کو بہتے پانی کی طرح
نبض چلتے چلتے سانسیں آتے آتے رک گئیں — آگیا قاتل جو مرگ ناگہانی کی طرح
کون اس عالم میں مجھ سا رند عالم سوز ہے — جو مے دو آتشہ پیتا ہو پانی کی طرح
موت کی تلخی بھی ہے اے عشق مجھکو خوشگوار — ہے مزہ مرنے میں لطف زندگانی کی طرح
جھوٹا قصہ جانتے ہیں سرگزشت عشق کو — داستان غم وہ سنتے ہیں کہانی کی طرح
ساتھ دیتی ہے ہمیشہ تا دم آخر یہی — بے وفا پیری نہیں ہوتی جوانی کی طرح
پیر میکش کی کرامت آتش سیال ہے — آگ شیشوں میں بھری رہتی ہے پانی کی طرح
ایک خاموشی میں ہیں سو معنی حسن بیاں — اب زباندانی مری ہے بے زبانی کی طرح

کاٹ لینگے رنج کے دن ہم خوشی سے اے شہیر
راہ دل میں غم کو دینگے شادمانی کی طرح

۲۱ اکتوبر سنہ ۱۳ء

بار الفت کا اٹھانا ہوا بھاری اصلاح ہو گئی خوب خرابی سے ہماری اصلاح
مدتوں مشق سخن میں رہی جاری اصلاح اے شہیر اس سے ہوئی اور ہماری اصلاح
اب لڑکپن کی نہ شوخی ہے نہ البیلا پن ہو گئی حسن جوانی سے تمھاری اصلاح
بن گئے اک نظر لطف سے سب کام مرے ہو گئی چشم زدن میں مری ساری اصلاح
محنت سعی سے بگڑی ہوئی قسمت نہ بنی بازی کوشش و تدبیر میں ہاری اصلاح
ہوتی یوں جور و پری کی نہ درستی چال تجھ سے لیتے نہ اگر نوری و ناری اصلاح

رتبۂ حسن کلام اور بھی بڑھتا تھا شہیر
دیتے تھے حضرت استاد وہ پیاری اصلاح

ردیف خ

ہوں کبھی خوں نابۂ دل سے بھی دست یار سرخ کیا ضرورت ہے کہ مہندی ہی سے ہوں ہر بار سرخ
ہے شہیدان وفا کے خون کا فیضان رنگ رہتی ہے قاتل کی ہر دم تیغ جوہر دار سرخ
غیر کے ساتھ آپ کیوں آئے عیادت کے لئے ہو گیا غیرت سے رنگ چہرۂ بیمار سرخ
دختر رز نے جامۂ تقوی گلابی کر دیا زیب سر ہے حضرت زاہد کے اب دستار سرخ
وہ عیادت کے لئے آئے بحالی آگئی زرد تھا پایا اب ہے رنگ چہرۂ بیمار سرخ
آستیں و پنجہ و دامان قاتل اور تو ایک میرے خون سے چاروں ہیں اے تلوار سرخ

کیا لہو کا ایک بھی قطرہ نہیں دل میں شہیرؔ
پھر یہ کیوں نکلا نہیں ہو کر لبِ سوفار سرخ

ردیف د

کانپتی خوف سے قاتل کے ہے تھر تھر فریاد
منہ سے بھی ہائے نکلتی ہے تو ڈر ڈر فریاد

ضبط کر ضبط۔ نکر اے دلِ مضطر فریاد
کہیں بیچین نہوں وہ تری سنکر فریاد

کرتے ہیں آٹھ پہر عاشقِ مضطر فریاد
رات بھر نالہ و شیون ہے تو دن بھر فریاد

آہِ مظلوم کی پرواز ہے تا عرشِ بریں
کون کہتا ہے کہ ہے طائرِ بے پر فریاد

حشر ہے آج تو کردے مرا انکا انصاف
بس یہی تجھ سے ہے اے داورِ محشر فریاد

ہوش صیاد اُڑا دیتے ہیں مرغانِ قفس
جب کہ یکبارگی سب کرتے ہیں ملکر فریاد

آئینہ چوٹ حسینوں کی نظر کی کھا کر
کیا عجب جا کے کرے پیشِ سکندر فریاد

جوشِ گریہ یہ دم نالہ و شیون ہے شہیرؔ
چشمِ پُر آب کو کر دیگی سمندر فریاد

ردیف ڈ

حسن و جمال پر ہے عبث اس قدر گھمنڈ
دو دن کی چاندنی ہے یہ اسپر نکر گھمنڈ

کیوں آمدِ شباب سے ہے اس قدر گھمنڈ
بے جا ہے ایک رات کے مہمان پر گھمنڈ

وہ بے وفا نکل گیا سینہ کو توڑ کر — جس تیر ناز پر تھا تجھے اے جگر گھمنڈ
ہے زاہدوں کو زہد کا اپنے اگر غرور — ہم رندوں کو بھی ہے رحمت غفار پر گھمنڈ
ہر دل عزیز عشوہ و انداز و ناز ہیں — ہر بات دل پسند ہے تیری مگر گھمنڈ
دعوائے بے مثالی و یکتائی مٹ گیا — جاتا رہا سب آئینہ کو دیکھ کر گھمنڈ
زیبا نہیں ہے چاہنے والوں سے یہ غرور — جو تجھکو پیار کرتے ہیں ان سے نکر گھمنڈ

دیکھی نہیں تجلی داغ دل شہیر
تجھکو جبھی ہے اے بت رشک قمر گھمنڈ

ردیف ذ

کھوئے کیا درد لا دوا تعویذ — نہ پیمبر نہ ہے خدا تعویذ
پڑھ کے وہ میری قبر کا تعویذ — بولے اب نفع دے گا کیا تعویذ
جھاڑ پھونک اور ایسی بیماری — درد دل اور یہ دعا تعویذ
ہے جنوں اک پڑھا لکھا جن آپ — اثر اس پہ کرے گا کیا تعویذ
مرض عشق کا علاج نہیں — بے اثر ہے۔ دوا۔ دعا تعویذ
مرنے والے کے نام کا خط تھا — اس کے بازو سے جب کھلا تعویذ

جو بندھا تھا شہیر بازو پہ
لاغری سے وہ گر گیا تعویذ

ردیف ر

اب اس میں خوشی بھی نہیں ویرانہ سمجھکر — تم رہتے تھے جس دل میں پریخانہ سمجھکر
پتھر جو لگاتا ہے وہ دیوانہ سمجھکر — ہنس دیتا ہوں میں شوخی طفلانہ سمجھکر
ہوشیار۔ رہِ عشق و محبت ہے خطرناک — رکھ اس میں قدم اے دل دیوانہ سمجھکر
ہم قصۂ غم اپنا جو کہنے لگے شب کو — وہ سننے کو سنتے رہے افسانہ سمجھکر
مستی میں پڑی آنکھ جو مینائے فلک پہ — بھر آیا دل الٹا ہوا پیمانہ سمجھکر
دھوکا ہوا اے شیخ چلے آئے حرم میں — پہلے کی طرح ہم اُسے بت خانہ سمجھکر
گرتے بھی ہیں نشہ میں تو ساقی کے قدم پہ — ہوتی بھی ہے تو لغزش مستانہ سمجھکر
یہ عشق مجازی بھی حقیقت کا ہے زینہ — رکھ پاؤں ذرا اے دلِ دیوانہ سمجھکر
گردوں پہ شب ہجر جو ظاہر ہوا مہتاب — ہم دوڑ پڑے جلوۂ جانانہ سمجھکر

دل کس لئے اُس دشمن ایماں سے لگایا
کرتا تھا شہیر آپ کو یارانہ سمجھکر

صدائے طوطی شکر شکن منقار کے اندر — بنا دیتی ہے شیریں ہر سخن منقار کے اندر
ہزاروں طرح کے آہنگ ہیں صورت عنادل میں — ہزاروں رکھتے ہیں گویا دہن منقار کے اندر
تعجب کیا اگر بلبل لئے ہے چونچ میں غنچہ — اگر بس ہو تو رکھ لے یہ چمن منقار کے اندر
اسیران قفس کے نالے ہیں غانہ بدوشوں میں — گئے وہ دن کہ انکا تھا وطن منقار کے اندر

وہی برگِ گل آخر بلبلِ مردہ کے کام آئے　　　جسے رکھتی تھی وہ بہرِ کفن منقار کے اندر
بھرا کرتی ہے بلبل دم جوانانِ گلستاں کا　　　جمائے رہتی ہے یہ انجمن منقار کے اندر
بہار آئی ہے ہر گل نغمۂ بلبل سے کہتا ہے　　　نوائے سازِ عشرت آج بن منقار کے اندر

شہیر اس طرح میں لب کھولنا مشکل نہیں مجھکو
نہیں قاصر مری مشقِ سخن منقار کے اندر

بن باس ہوئے، جوگ لیا یار کی خاطر　　　دکھ سہنے کو سکھ چین تجا یار کی خاطر
سہتا ہوں سبھی جور و جفا یار کی خاطر　　　ہر طرح ہوں راضی برضا یار کی خاطر
دل دیدیا میں نے اگر انکو تو عجب کیا　　　کرتے ہیں سبھی شاہ و گدا یار کی خاطر
وہ منزلِ دشوار ہو یا وادیِ پُر خار　　　طے کرتا ہوں میں آبلہ پا یار کی خاطر
فرماتے ہیں وہ شکوۂ بیداد و جفا پر　　　کرتے ہیں سبھی اہلِ وفا یار کی خاطر
ہر ایک سے دنیا میں کیا ترکِ تعلق　　　اپنوں سے بھی بیگانہ ہوا یار کی خاطر
مرنا بھی پئے دوست حیاتِ ابدی ہے　　　ہر زہرِ فنا، آبِ بقا یار کی خاطر

جینا پڑا مر مر کے محبت میں شہیر آہ
جو کچھ نہ ہوا تھا وہ ہوا یار کی خاطر

۹ر ستمبر ۱۹۵۱ء

نہ پڑے صبر دلِ عاشقِ گریاں کیونکر　　　منہ نہ کالا ہو ترا اے شبِ ہجراں کیونکر
جوشِ وحشت میں چھپاؤں تنِ عریاں کیونکر　　　جھاڑ دوں جسم سے میں گردِ بیاباں کیونکر

ہائے حاصل ہو رضامندی جاناں کیونکر
یعنی اقرار ہو انکار نہیں ہاں کیونکر

دین و دنیا میں اسی کا تو سہارا ہے مجھے
چھوڑ دوں آپ کا میں گوشۂ داماں کیونکر

کہتے ہیں قصۂ بلقیس و سلیماں سن کر
بس میں آجاتی ہیں انسان کے پریاں کیونکر

سخت جانی ہے ادھر اور نزاکت ہے اُدھر
حلق پر میرے چلے خنجر براں کیوں کر

کسطرح منہ نہ ترا اے بت کافر چوموں
ہوں مسلمان نہ لوں بوسۂ قرآں کیونکر

داغ بن بن کے ابھرنے لگے جب درد جگر
دل میں ناموس محبت رہے پنہاں کیونکر

ان قوافی میں ہوں میں خوگر ترکیب شہیر
ترک ہو عادت تقلید فصیحاں کیوں کر

۱۴- فروری [illegible]ء

رہا عشق آپ کا پیدا و پنہاں با اثر ہو کر
نمایاں داغ دل ہو کر نہاں درد جگر ہو کر

دم نزع آنکھوں میں حسن ازل ہے جلوہ گر ہو کر
نگاہ واپسیں پڑتی ہے پھر پہلی نظر ہو کر

عبث فکر آشیانے کی۔ ہوس پرواز کی بے جا
قفس ہی میں ہمیں رہنا ہے جب بے بال و پر ہو کر

چھلکتا ہے سیہ کاری میں رنگ آمرزگاری کا
بنا ہے ابر رحمت میرا دامن مے سے تر ہو کر

نہ کیوں سرگشتگی میں کیف دور جام حاصل ہو
کف بادہ بھرا ہے میرے سر میں مغز سر ہو کر

اثر آزار الفت کا چھپائے چھپ نہیں سکتا
کہ رنگ چہرہ اڑ جاتا ہے پہلے ہی خبر ہو کر

کروں فریاد کس سے داد یا رب کون سنتا ہے
دعائیں بھی تو رہ جاتی ہیں آہ بے اثر ہو کر

چلیں گے حشر میں تیر ملامت جب گناہوں سے
تری رحمت بچا لے گی مجھے سینہ سپر ہو کر

مزاحم میں نہیں تم شوق سے جا ہو جہاں جاؤ
مگر ہاں شرط یہ ہے سب سے پہلے میرے گھر ہو کر

ملا جوش نمو سے لطف صحرا ہم کو گھر بیٹھے
نہ نکلے جو سبزہ دیوار و در ہو کر

شہادت تیرے ہاتھوں سے بقائے جاودانی تھی
حیات تازہ پھر مجھ کو ملی عمر دگر ہو کر

شب غم کاٹی ہے مر مر مگر اس ڈر سے متفق ہے
کہیں ایسا نہ ہو پھر شام ہو جائے سحر ہو کر

چراغ محفل عشرت تھا جو دل نوجوانی میں
شہیر اب بجھ گیا پیری میں وہ شمع سحر ہو کر

ردیف ڑ

صورت کا ہے بناؤ تری زلف کا بگاڑ
کیوں ہو نظر فریب نہ یہ خوش نما بگاڑ

کیوں ہو نہ خوش اداؤں میں بگڑی ادا کی قدر
اُن کا نہ سو بناؤ نہ اک آپ کا بگاڑ

تقدیر میری آگئی ہے تیرے ہاتھ میں
جس طرح جی میں آئے ترے تو بنا بگاڑ

کب تک نبھیگی اُس متلون مزاج سے
کے روز بننے دیگا یہ ہر روز کا بگاڑ

دل میں کہاں سے آگیا خانہ خراب عاشق
کس نے کہا تھا اس سے کہ آ گھر مرا بگاڑ

ہر روز کی لڑائی سے تو مل گئی نجات
اُس جنگجو کے میل سے اچھا رہا بگاڑ

کوچہ میں تیرے میں ہوں پڑا مثل نقش پا
ہے تجھکو اختیار بنا مجھ کو یا بگاڑ

آنکھوں سے آنکھیں لڑ گئیں لو صلح ہو گئی
پھر اُن سے میل ہو گیا جاتا رہا بگاڑ

تم نے بگاڑی اپنی بنی بات آپ ہی
بے فائدہ شہیر سے کیوں کر لیا بگاڑ

ردیف ز

۱۲/ جولائی سنہ[illegible]ء

فاش ہو جائیگا زخم فاش سے سب دل کا راز
غیر ممکن ہے چھپانا خنجر قاتل کا راز

دل میں اُن کا چھپ کے رہنا ہو گیا ہے دل کا راز
لیلی محمل نشیں ہے آپ ہی محمل کا راز

تھا رگِ گردن سے وہ نزدیک جسکی تھی تلاش
کھل گیا پائے طلب پر دوری منزل کا راز

قید ہستی سے رہا ہو کر ہوا ہے مرقد میں بند
یہ ہے اے خواب اجل زندان آب و گل کا راز

مر گیا لیکن نہ اُن سے کر سکا اظہار شوق
رہ گیا افسوس میرے دل میں میرے دل کا راز

گوشہ ہائے دیدۂ پرخوں میں دیکھے لخت دل
خود لب ساحل سے ظاہر ہو گیا ساحل کا راز

سوز داغ عشق میں ہے روشنی بزم حسن
شمع محفل میں چھپا ہے گرمی محفل کا راز

توڑتا ہے شیشۂ مے میرے آگے محتسب
جانتا ہے سنگ دل وجہ شکست دل کا راز

جانتے ہیں سب مگر یارائے گویائی نہیں
ہو گیا ہے خواب گونگے کا بت غافل کا راز

قبر ہے میدان محشر کا ہے طولانی سفر
پہلی منزل میں کھلا یہ دوسری منزل کا راز

بے کھلی سوکھی کلی دیکھی ہے جس نے اے شہیر
جانتا ہے وہ مری افسردگی دل کا راز

ردیف س

۱۲-جولائی سنہ ۱۲ء

کوئی نہیں ہے کشتۂ بے دل کے آس پاس — پھرتی ہے بیکسی ترے بسمل کے آس پاس
رہتی تھیں پہلے حسرتیں جو دل کے آس پاس — دم توڑتی ہیں اب وہی بسمل کے آس پاس
لیلی کو کچھ پیام سنانا ہے قیس کا — باد صبا ہے پردۂ محمل کے آس پاس
ہے حکم یاس شادی امید کے لئے — ہرگز پھٹکنے پائے نہ یہ دل کے آس پاس
پھندے لگاتے پھرتے ہیں صیاد باغ میں — شاخوں پہ آشیان عنادل کے آس پاس
ارمانوں کا ہے وصل میں تانتا بندھا ہوا — کچھ دور دور ہیں ابھی کچھ دل کے آس پاس
عشاق قتل ہوگئے سب قتل گاہ میں — باقی نہیں رہا کوئی قاتل کے آس پاس
کیا بے حجاب قیس سے لیلی ہو نجد میں — پردے پڑے ہیں شرم کے محمل کے آس پاس
ہے یاد چشم یار میں مژگاں کی بھی خلش — کچھ خار بھی ہیں آبلۂ دل کے آس پاس

یوں میرے گرد کوہکن و قیس ہیں شہیر
جیسے مرید مرشد کامل کے آس پاس

ردیف ش

رہتی ہے روز بانی بے داد کی تلاش — ہر دن ہے اک نئے ستم ایجاد کی تلاش

اس خارزار دہر میں پھنستے نہ آکے ہم ہوتی اگر نہ گلشنِ ایجاد کی تلاش
اے طائرانِ باغ خبردار۔ ہوشیار گلچین و باغباں کو ہے صیاد کی تلاش
پردے سے جاکے ڈھونڈ نکالا حضور کو دیکھی نہ آپ نے مری فریاد کی تلاش
سو نقش خود جو ایک تصور میں کھینچ لے پھر اُس کو کیوں ہو مانی و بہزاد کی تلاش
اے باغبان شوق اسیری ہے اس قدر خود بلبلوں کو رہتی ہے صیاد کی تلاش

لذت رُبائے جورِ حسیناں ہیں ہم شہیر
رہتی ہے روز اک ستم ایجاد کی تلاش

ردیف ص

چاہے وہ بھلی ہو یا بُری حرص بیشک ہے مجھے شراب کی حرص
خالی جب تک نہ خم کے خم ہوں میری بھرتی نہیں کبھی حرص
کھو دیتی ہے سب وقار انسان ذلت ہے بہر آدمی حرص
یوں بھی نہ تھی کچھ شباب میں کم پیری میں تو اور بڑھ گئی حرص
جامِ مے پر ٹپکتی ہے رال ہے شیخ کی سخت لالچی حرص
قسمت پر اپنی جو ہے قانع اس کو ہوتی نہیں کوئی حرص
جینے کی خاک اب ہوس ہے تا عہد شباب ہو چکی حرص
اللہ پہ اپنا ہے توکل قانع ہوں مجھے نہیں کوئی حرص

جس سے رہے نام نیک قائم — حرصوں میں وہی ہے کام کی حرص

دنیا کی ہوس شہیر تا چند
کب تک یہ رہے گی آپ کی حرص

ردیف ض

لائق بوسہ ہیں لے جان تمھارے عارض — پیار کرنے ہی کے قابل ہیں یہ پیارے عارض

دعویٰ حسن ہیں زیبا ہے۔ اگر اپنے پر — صدقے سورج کو کرے چاند کو وارے عارض

آتش شوق کو بھڑکاتی ہے رخسار کی یاد — گرم آہوں میں دکھاتے ہیں شرارے عارض

شوق دید رخ جاناں ہیں تھیں بیتاب آنکھیں — گھونگھٹ اٹھا تو نظر آگئے بارے عارض

مدتوں میں نے اڑائے ہیں مزے بوسوں کے — شیخیاں مجھ سے بہت اب نہ بگھارے عارض

سر چڑھے منہ لگے اتنا جو نہ گیسو ہوتے — کس طرح چومتے جھک جھک کے تمھارے عارض

جاں بلب حسرت بوسہ میں نہ ہوتا میں شہیر
پیچ با من نہ اگر داشتہ کارے عارض

ردیف ط

نہیں اس بانیٔ جفا کا خط — میری تقدیر کا ہے لکھا خط

ہائے ازبس تھا یاس افزا خط — پڑھ سکا میں نہ ان کا پورا خط

جی اُٹھا میں جو اُن کا آیا خط
میرے حق میں ہوا مسیحا خط

گو پتہ میرا تھا لفافہ پر
غیر کے نام کا مگر تھا خط

دستِ قدرت کی دیکھ لی تحریر
عارضِ یار پر جو آیا خط

لکھتا کیا حال بیقراریٔ دل
دامنِ برق بن نہ جاتا خط

نگہِ شوق بے قرار ہے کیوں
ٹھہرے پڑھنے دے مجھکو انکا خط

یہ بھی لکھا نصیبوں کا ہے شہیر
کبھی آتا نہیں ہے ان کا خط

ردیف ظ

آتا اگر بغل میں بوتل دبائے واعظ
مستی میں چوم لیتے ہم بڑھ کے پائے واعظ

بندے ہیں سب اُسی کی امیدوارِ رحمت
رندوں کا بھی وہی ہے جو ہے خدائے واعظ

آیا ہے پی کے شاید۔ لکنت زبان میں ہے
چلنے میں بھی نہیں ہیں قابو میں پائے واعظ

نارِ سقر سے آیا ہے رندوں کو ڈرانے
سنتا ہے کون اسکی دوزخ میں جائے واعظ

ہم کوئے یار ہی میں جنت سے بڑھکے خوش ہیں
یعنی یہ ہے مبارک جنت برائے واعظ

اوروں ہی کو دکھائے یہ سبز باغ اپنا
سچا جو ہو تو جنت ہم کو دکھائے واعظ

پیرِ مغاں کی سنتے ہیں اے شہیر ہم سب
میخانہ میں یہی ہے ناصح بجائے واعظ

ردیف ع

ظاہر ہے دودِ شمع سے رنگِ فغانِ شمع   اظہار سوز کے لئے تو ہے زبانِ شمع
پروانوں کا بیان ہے گویا بیانِ شمع   جو اُن کی داستان وہی داستانِ شمع
اے اہلِ بزم ہے دمِ آخر۔ قریبِ صبح   لَو جھلملا رہی ہے نکلتی ہے جانِ شمع
ممکن نہیں جو میرے سیہ خانہ میں جلے   سو بار لاکے کرے کوئی امتحانِ شمع
دل میں مدام داغِ محبت کی ہے جگہ   فانوس رات بھر کے لئے ہے مکانِ شمع
دل تفتگانِ عشق کے مرنے میں دیر کیا   اک جھونکے میں ہوا کے نکلتی ہے جانِ شمع
تارِ نفس بغیر فروغِ حیات کیا   کیونکر جلے اگر نہ ہو رشتہ میانِ شمع
جس میں ہو سوزِ عشق وہ قصہ ہمیں سناؤ   پروانوں کا فسانہ ہو یا داستانِ شمع
بجھ بجھ گئی ہے اُس رخِ روشن کے سامنے   جب جب کیا ہے محفلوں میں امتحانِ شمع

کیوں نورِ طبع سے نہ ہو زندہ دلی شہیر
روشن یہ ہے کہ روشنی ہوتی ہے جانِ شمع

ردیف غ

ہو گئے سب داغ دل کے عشق ترسا میں چراغ   ہائے یہ اندھیر کعبہ کا کلیسا میں چراغ
کیا کرینگے مول لیکر جوشِ سودا میں چراغ   جلتے ہیں داغِ جنوں کے آپ صحرا میں چراغ

ہے رخِ روشن کا جلوہ دیدۂ پُرآب میں
سیر دیکھو لے خضر جلتا ہے دریا میں چراغ

بے سواد و نکی نظر میں ہیچ ہے روشن سواد
ہے نہ ہونے کے برابر چشم اعمٰی میں چراغ

رات کو جلوہ جو دیکھا آبِ آتش رنگ کا
مست مے سمجھے کہ ہے فانوس مینا میں چراغ

داغہائے عشق کا ہے دل میں عالم ہی نیا
اس طرح کے کب نظر آتے ہیں دنیا میں چراغ

آئے وہ امیدیں بر آئیں دل پہ داغ کی
گھی کے جلتے ہیں مری بزمِ تمنا میں چراغ

داغِ عشق اے قیس ہو صرف نیاز زندگی
رکھ دے محرابِ خمِ ابروئے لیلا میں چراغ

قبرِ حسرت ہائے مردہ پر پڑے ہیں سب بجھے
جتنے جلتے تھے شبستانِ تمنا میں چراغ

نورِ ایماں کی ضیا محدود دنیا تک نہیں
رہنما ہو گا یہ بن کر راہ عقبیٰ میں چراغ

نورِ عرفاں سے منور ہے مرا دل اے شہیر
عارفِ حق دیکھ لیں داغِ سویدا میں چراغ

ردیف ف

عین جوہر ہے مرا ابروئے خمدار کا وصف
ہوں سپاہی تو نہ کیونکر تلوار کا وصف

کر دیا شرم گنہ کو جو گنہ گار کا وصف
بخدا یہ بھی ہے اک رحمتِ غفار کا وصف

خوگرِ لذتِ آزار ہیں مداحِ ستم
کوئی ہم سے سنے اُس شوخ جفاکار کا وصف

سایہ میں جیکے دکھا دیتی ہے طوبیٰ کی بہار
ایک ادنیٰ سا ہے یہ آپکی دیوار کا وصف

کہہ دیا باغِ جناں ہی تو کیا کون کمال
یہ تو کچھ بھی نہ ہوا کوچۂ دلدار کا وصف

راہِ جاناں میں اذیت بھی بڑی راحت ہے
پاؤں کے چھالوں کو ہے نوکِ زبانِ خار کا وصف

ہوسِ مال نہ دولت کی طمع ہم کو شہیر
پھر غرض کیا جو کریں منعم و زردار کا وصف

ردیف ق

پاتی شرف نہ کعبہ کا دولت سرائے عشق
قائم جو میرے دل میں نہ ہوتی بنائے عشق

اے دل ہے آزمائش عشق ابتدائے عشق
کر صبر آزمائے جو صبر آزمائے عشق

جس پر کرم ہو اوج اُسی کا بڑھائے عشق
قیس اک سڑی تھا کر دیا جسکو خدائے عشق

قائم ہوئی ہے دل میں کچھ اسطرح جائے عشق
دل جائے بھی تو دل سے ہمارے نہ جائے عشق

دونوں میں ربط لازم و ملزوم ازل سے ہے
ہے عشق دل کے واسطے دل ہے برائے عشق

دنیا و دیں کسی سے علاقہ نہیں ہمیں
کچھ ماسوا سے کام نہیں ماسوائے عشق

گویا ہوئی تھی قطع ازل ہی میں ناپ کر
ٹھیک اتری میرے جسم پر ایسی قبائے عشق

بستر سے اٹھنے کے بھی سکت اب نہیں رہی
دنیا سے کسطرح مجھے دیکھوں اُٹھائے عشق

خالی رہے نہ داغِ محبت سے دل کبھی
یارب نہ بے چراغ ہو دولت سرائے عشق

سب باتیں یاد ہیں ہمیں عہدِ الست کی
گوش آشنا ہے روزِ ازل سے صدائے عشق

اُتنا دے بارِ غم مجھے جتنا اٹھا سکوں
جتنا میں دب سکوں مجھے اُتنا دبائے عشق

سب سے بڑا یہ کوسنا اُنکا ہے اے شہیر
یا دافع بلا اسے کر مبتلائے عشق

ردیف ک

پہونچوں لے ضعف جنوں کیا وادی کہسار تک
نوک کی لینے لگے ہیں آبلوں سے خار تک

بیچ ہے وقت بیکسی ہر ایک کرتا ہے گریز
بھاگتا ہے مجھ سے انکا سایۂ دیوار تک

دونوں عالم ہے مرقع ان کے حسن پاک کا
جلوۂ اقدس سے ہیں معمور نور و نار تک

بندھ گئے ہیں پر قفس میں رہتے رہتے اسطرح
ہوں رہا بھی تو نہ اڑ کر جا سکوں گلزار تک

دھوپ کی تکلیف سے لے ضعف پا جاتے نجات
کاش چل سکتے کسی کے سایۂ دیوار تک

دیدۂ پر آب سے آنسو گزر کر بہہ گئے
جوش غم لڑکوں کو پہونچا آیا دریا بار تک

بخت خفتہ سو رہا ہے نیند کیا آئے شہیرؔ
ہو چکا سونا ہمارا طالع بیدار تک

ردیف گ

مہندی ہزار دستِ حسیناں میں لائے رنگ
مشکل ہے میرے خون تمنا کا پائے رنگ

کیا رنگ آگے اس رخ روشن کے لائے رنگ
جس میں کہ نور حسن بھرا ہو بجائے رنگ

پوچھی نہ بات چہرۂ بیمار عشق نے
غیرت جو ہو تو منہ نہ کسی کو دکھائے رنگ

ہیں دیکھنے ہی بھر کے حسینان بیوفا
ان پھولوں میں ذرا نہیں خوشبو سوائے رنگ

کچھ اور ہی ہے جلوۂ بے رنگ کی بہار
کیا اسکے آگے رنگ کچھ اپنا جمائے رنگ

کلیاں چٹک رہی ہیں گل تو بہار کی　　سنتے ہیں طائران گلستان صدائے رنگ

بیشک بقولِ حضرت استاد اے شہیر
کچھ اس غزل میں جی نہ ہوا آشنائے رنگ

۲۳ جولائی ۲۱ء

نظر آتا نہیں کچھ صبح کے آثار کا رنگ　　ظلمتِ گور سے بدتر ہے شب تار کا رنگ
اُڑ گیا ضعفِ مرض سے رخ بیمار کا رنگ　　دیدو تھوڑا سا تم اپنے گل رخسار کا رنگ
حشر میں رحمت داور نے جو نظریں ڈالیں　　ہو گیا سرخ وہیں روئے گنہگار کا رنگ
فصل مے آنے دو پھر ہے یہ ہمارا ذمہ　　ہو گلابی نہ اگر شیخ کی دستار کا رنگ
حلقے آنکھوں میں پڑے مردنی منہ پر چھائے　　نظر آتا نہیں اچھا ترے بیمار کا رنگ
تم دکھادو جو ذرا عارض گلگوں کی بہار　　تو بدل جائے ابھی چہرۂ بیمار کا رنگ

عرقِ شرم گنہ ۔ اشک ندامت سے شہیر
صاف ہو جاتا ہے سب ہی سیہ کار کا رنگ

ردیف ل

ملے کیا تجھ سے اب او بیوفا دل　　تری بے مہریوں سے ہٹ گیا دل
نہیں تجھ سے عزیز اے دلربا دل　　ارے تو شوق سے لیجا مرا دل

نہیں ہے جب تمھارے کام ہی کا — تو لاؤ پھیر دو مجھ کو مرا دل
تری باتوں سے لے سفاک قاتل — کلیجہ ہو گیا شق پھٹ گیا دل
تمھیں تو بیٹھے تھے پہلو میں میرے — تمھیں نے لے لیا بیشک مرا دل
مرے سر مارا قسّام ازل نے — پڑا پایا جو اک ٹوٹا ہوا دل
ذرا کر یاد اے وعدہ فراموش — لیا تھا تو نے کیا کہہ کر مرا دل

قطعہ

اگر کہنا نہ مانے کون بس ہے — دل است ایں جنگ نتواں کردہ با دل
محبت میں نہیں ہے کوئی تخصیص — شود با ہر کہ خواہد آشنا دل
رہائی زلف سے ہے غیر ممکن — کہاں پھر چھوٹتا ہے جب پھنسا دل
کسی کا ہو انھیں لینے سے مطلب — نہیں پروا بھلا ہو یا برا دل
جہاں دیکھا کسی کو دل گرفتہ — وہاں اپنا مجھے یاد آ گیا دل
خروش بلبلاں ہے جوش گل تک — خزاں میں پھر کہاں شور عنادل

نہیں دیتے نہ دیں داد وفا بت
شہیر اللہ تو اپنا ہے عادل

۲۷ر جولائی سنہ ۲۱ء

سننا جو ہو تو ہم سے سنو داستان دل — افسانہ گو کریگا بھلا کیا بیان دل
جو نا شنو ہو اُس سے کریں کیا بیان دل — سامع کوئی ملے تو کہیں داستان دل

جل جل کے راکھ ہو نہ مگر منہ سے اُف کرے
اے سوزِ عشق سہل نہیں امتحانِ دل

ناوک اگر نکالا تو پھر زندگی نہیں
پیکانِ تیرِ یار سے لپٹی ہے جانِ دل

خلقت تھی ناتمام کہ تھا صرف خون و گوشت
پیوست ہو کے تیر بنا استخوانِ دل

صبر و قرار و تاب و تواں کا پتہ نہیں
اے دردِ عشق کیا ہوئے سب دوستانِ دل

ے عشق میں جو چشمِ حقیقت نگر سے کام
دیکھے نئی زمین نیا آسمانِ دل

بے چارہ کس طرح تمہیں سمجھائے کیا کرے
مشکل یہ ہے سمجھتے نہیں تم زبانِ دل

میں باخبر ہوں یا مرا اللہ اے شہیرؔ
کیا جانے تیسرا کوئی رازِ نہانِ دل

پامالِ عشق ہو کے مٹے یہ ہے شانِ دل
ہو جائے بے نشاں یہی ہے نشانِ دل

دل بے زبان ہے وہ کریگا بیان کیا
میری زبان چاہیے بہرِ بیانِ دل

سینے کو چاک کیجیے خنجر اُٹھائیے
لینا ہی آپ کو ہے اگر امتحانِ دل

ردہ سے کیوں نکالتا ناموسِ عشق کو
کہتا کسی سے کس لیے دردِ نہانِ دل

و ہو کے خون بہہ گیا اشک رواں کے ساتھ
اچھا ہوا کہ مٹ گیا نام و نشانِ دل

اغِ جگر سے ہوتی ہے ظاہر بہارِ عشق
زردی رخ سے کھلتا ہے رنگِ خزانِ دل

اقف ہوں اُس سے جو رگِ گردن کے ہے قریب
مجھ سے چھپا نہیں ہے مکینِ مکانِ دل

لا ہے نزع میں ابھی ہمراہ روح کے
یارب وہ کون تھا جو چھپا تھا میانِ دل

س سے لگائیے دل جو ہو رتبہ شناسِ عشق
دل دیجئے اُسے سمجھ لیجئے قدر دانِ دل

میں آپ روتے لگتا ہوں رقت کے جوش سے
پرورد ہے شہیر زبس داستان دل

ہر اک بات میں تھا حجاب اول اول
نہ یوں تم تھے حاضر جواب اول اول

وفادار اغیار کا اب لقب ہے
کبھی تھا یہ میرا خطاب اول اول

ازل ہی سے کوثر کی لہروں میں ڈوبے
ہوئے غرق موج شراب اول اول

کسی شوخ کی ہائے اٹھتی جوانی
وہ اپنا بھی جوش شباب اول اول

خدائی میں مثل اس صنم کا نہ نکلا
جسے کر دیا انتخاب اول اول

جوانی میں رندی ضعیفی میں توبہ
ثواب آخر آخر عذاب اول اول

نیاز ابتدا کا تھا ناز ابتدا کا
سوال اول اول جواب اول اول

شہیر اب اسی شے کا چسکا پڑا ہے
ہمیں جس سے تھا اجتناب اول اول

ردیف م

جلد افاقہ غش سے کب پاتے ہیں ہم
بے خودی سے آپ کھو جاتے ہیں ہم

کچھ نہ پیتے ہیں نہ اب کھاتے ہیں ہم
ہجر ساقی میں مرے جاتے ہیں ہم

ہے یہی آب و غذا اب ہجر میں
خون دل پیتے ہیں غم کھاتے ہیں ہم

کہتی ہے رہ رہ یہ جانِ منتظر — وہ نہیں آتے تو تو جاتے ہیں ہم
باندھتے ہیں تصور آپ کا — رات بھر یوں دل کو بہلاتے ہیں ہم
ہے گلے میں جذبِ الفت کی کمند — یہ جدھر کھنچتی ہے کھنچ جاتے ہیں ہم

سوچ کر اعمالِ بد اپنے شہیرؔ
سامنے رحمت کے شرماتے ہیں ہم

۳۰ر جولائی سنہ ۱۲ء

ساتھی گزشتگاں ہیں ہم — مرنے والوں کے نوحہ خواں ہیں ہم
اثرِ پائے رفتگاں ہیں ہم — جادۂ موت پر رواں ہیں ہم
مثلِ سایہ جدا کہاں ہیں ہم — جس جگہ آپ ہیں وہاں ہیں ہم
رنگِ گل ہیں اگر عیاں ہیں ہم — بوئے گل ہیں اگر نہاں ہیں ہم
آپ اپنا پتہ نہیں ہم کو — یہ نہیں جانتے کہاں ہیں ہم
اپنی ہستی بھی ہے عجب ہستی — کہ نہیں ہونے پر بھی ہاں ہیں ہم
دیکھ لیں دیکھ لیں ہمیں احباب — موت آئی تو پھر کہاں ہیں ہم
اے فلک ڈر ہمارے نالوں سے — پیر تو اور نوجواں ہیں ہم
آہ کیونکر کٹے گی ساری رات — شام ہی سے جو نیم جاں ہیں ہم
جلوۂ یار کا یہ دعوے ہے — از زمیں تا بہ آسماں ہیں ہم
مرتے مرتے بھی ہے بلند نگاہ — عازمِ سیرِ لامکاں ہیں ہم

قید کون و مکاں سے ہیں آزاد — کچھ نہیں ہے وہاں جہاں ہیں ہم
روز و شب کر رہے ہیں طے رہ زیست — مثل عمر رواں رواں ہیں ہم

بعد از ناسخ و منیر شہیر
یادگار گزشتگاں ہیں ہم

۴ر اگست

گو ہے امید وفا اُس بت خود کام سے کم — پھر بھی ہوتا ہے غلط نامہ و پیغام سے غم
ہوس بادہ ہو کیا اس دل ناکام سے کم — جانتا ہے کہ ہے مشہور جہاں جام سے جم
حیف ہے جام جہاں بیں تو بنایا بیشک — ہوا واقف نہ مگر اپنے سرانجام سے جم
چشم پر آب اگر خشک ہوں تو کیا ہے عجب — سوکھ جاتے نہیں کیا گردش ایام سے یم
چشم بیمار کے بیمار مرے جاتے ہیں — توڑتے جاتے ہیں سب تلخی بادام سے دم
باغباں دیکھ لے انصاف سے ہو آنکھ اگر — حُسن نرگس کا ہے چشم بت خود کام سے کم

دافع رنج ہے نام اسد اللہ شہیر
کیوں نہ ہو جائے ہرن ہیبت ضرغام سے کم

ردیف ن

اُن کی تصویر بھی بکنے لگی بازاروں میں — پھوٹ پڑ جائے نہ یوسف کے خریداروں میں
زنگ ہے رحم و غضب دونوں کا رخساروں میں — کبھی پھولوں میں ہے شامل کبھی انگاروں میں

کہدو زاہد سے اگر رحمت حق کی ہے تلاش ڈھونڈھے کیوں اور کہیں آئے گنہگاروں میں
عشق ابرو میں کٹے جاتے ہیں ایام حیات عدم آباد چلے جاتے ہیں تلواروں میں
شکر ہے لڑ گئی تقدیر ان آنکھوں کی وہاں کہ سکندر رہے جہاں آئینہ برداروں میں
حُسن بچپن میں ہوا کھاتا تھا آزادی کی اب جوانی سے ہے پردے کے گرفتاروں میں
طنز سے کہتے ہیں وہ تذکرۂ یوسف پر ایسے ایسے تو بکا کرتے ہیں بازاروں میں
ابر رحمت تو ہے رندوں سے سوا تر دامن ہو نہو کالی گھٹا بھی ہے سیہ کاروں میں
گھر کا گھر جیرتیِ حسن ہے اے بت تیرا آنکھیں پتھرائی ہیں اینٹیں نہیں دیواروں میں
اس خلش پھوٹ سے دونوں ہوئے آخر نہ تباہ چھالیں تلووں میں تو نوکیں نہیں اب خاروں میں

کیا کہوں داغوں میں حال دل بیتاب شہیر
جیتی مچھلی ہے دہکتے ہوئے انگاروں میں

آپ دیتے ہیں زباں اور بدل جاتے ہیں ہار کر قول بھی کیا صاف نکل جاتے ہیں
آج جو کہتے ہیں کل اُس سے نکل جاتے ہیں روز ہی ایک نئی چال وہ چل جاتے ہیں
ہجر جاناں میں قضا لائی ہے پیغام وصال وہ نہ آئے ہمیں ہمراہ اجل جاتے ہیں
گو مرے کام کا میرا دل ناکام نہیں پھر بھی کام اس سے حسینوں کے نکل جاتے ہیں
جگر و دل میں ٹھہرتے نہیں وہ ناوک ناز اُدھر آتے ہیں اِدھر صاف نکل جاتے ہیں
کیوں نہیں ہوتی دل سخت بتاں میں تاثیر آہ سوزاں سے تو پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
چشم بد دور لڑکپن کی ابھی تک ضد ہے دیکھکر وہ دلِ عشاق مچل جاتے ہیں

شوخیاں عالمِ طفلی کی جوانی میں کہاں　　سلطنت بدلی تو عامل بھی بدل جاتے ہیں

طبعِ موزوں مری کا ہے کو ہے سانچہ ہے شہیرؔ
اس میں اشعار ہر اک رنگ کے ڈھل جاتے ہیں

سوے دیر اٹھتے ہیں شباب میں پاؤں　　قطرہ زن ہیں رہِ ثواب میں پاؤں

دیکھ کر نورِ نقشِ پا کا ترے　　کھب گئے چشمِ آفتاب میں پاؤں

سعی بے جا ہے کوچہ گردیِ عشق　　توڑوں کیوں راہِ ناصواب میں پاؤں

دیر و میخانہ کے سوا نہ اٹھے　　اور جانب کہیں شباب میں پاؤں

طے ہوئی شکر منزلِ طفلی　　رکھے اب جادۂ شباب میں پاؤں

پی کے نکلا ہے میکدہ سے شیخ　　پڑتے ہیں نشۂ شراب میں پاؤں

تیری شوخی کے آگے جم نہ سکے　　برق کے اوکھڑے اضطراب میں پاؤں

ہتھکڑی بیڑی جب سے پہنی ہے　　ہاتھ آفت میں ہے عذاب میں پاؤں

جھومتے یہ کدھر چلے اے شیخ　　کیوں نہیں قابو ے جناب میں پاؤں

مجھ کو پامال ہی بگڑ کے کرو　　کام تو آئیں کچھ عتاب میں پاؤں

دستبوسی کا جب سوال کرو　　وہ بڑھا دیتے ہیں جواب میں پاؤں

طے ہوئی سختیوں سے راہ فنا　　ٹوٹے اس منزلِ حباب میں پاؤں

بندشِ پا شہیرؔ ہے تعقید
کس طرح باندھوں آفتاب میں پاؤں

جلتے ہیں جیتے جی ہم اُن کو بتا سکتے نہیں
پھر بھی اُنکی جستجو سے ہاتھ اٹھا سکتے نہیں

پھول اگر میری لحد پر وہ چڑھا سکتے نہیں
تو کوئی ٹھوکر بھی کیا آ کر لگا سکتے نہیں

قطرہ نوشی سے ہے ہاتھوں میں رعشہ اسقدر
سامنے رکھی ہے بوتل اور اٹھا سکتے نہیں

نازکی و ضعف سے معذور تم ۔ معذور ہم
چل کے آ سکتے نہیں اور اُٹھ کے جا سکتے نہیں

مال اپنا ہے مگر ان کا یہ رعب حسن ہے
دیکھتے ہیں دل پڑا ہے اور اُٹھا سکتے نہیں

ایسی ازخود رفتگی رہتی ہے ہر دم عشق میں
آپ میں آنا کبھی چاہیں تو آ سکتے نہیں

عمر بھر جن کے اُٹھائے ناز ہیں نے شوق سے
دو قدم بھی وہ مرا تابوت اُٹھا سکتے نہیں

جلوۂ حسنِ بتاں کی ہم حقیقت کیا بتائیں
جو کچھ ان آنکھوں نے دیکھا ہے دکھا سکتے نہیں

دیدۂ باطن نے جو دیکھا ہے جلوہ اے شہیر
چشم ظاہر بیں کو وہ صورت دکھا سکتے نہیں

مارچ سنہ ۱۹۰۷ء

مے و مینا و ساغر ہم برابر مول لیتے ہیں
جو یوں پاتے نہیں تو قرض لیکر مول لیتے ہیں

انھیں منظور ہے پوری طرح اب میری بربادی
سنا ہے غیر کے ہمسایہ میں گھر مول لیتے ہیں

اگر پٹ جائے تو ہم بھی یہ سودا کرنے آئے ہیں
سنا ہے آپ دل اے بندہ پرور مول لیتے ہیں

دل عشاق ہیں افسردگی میں داغ کے گاہک
چراغ مردہ ہو کر ماہ انور مول لیتے ہیں

جنون عشق کا موسم ہے فصل جوشِ سودا ہے
بہار آئی ہے رگ زن روز نشتر مول لیتے ہیں

انھیں کو چھانٹ کر رکھتے ہیں جن سے بت ترشتے ہیں
پئے تعمیر مسجد ہم جو پتھر مول لیتے ہیں

وہی اس دل کی قیمت ہے جو اس دلکی تمنا ہے — بت عشوہ فروش اس پر بھی اکثر مول لیتے ہیں
خریداری کی عادت بعد توبہ بھی نہیں چھٹتی — نہیں پیتے مگر مینا و ساغر مول لیتے ہیں
زمین و خشت کوئے یار ہمکو فرش و بالش ہے — نہ تکیہ مول لیتے ہیں نہ بستر مول لیتے ہیں
خدا کی شان ہے اصنام میرے دل کے گاہک ہیں — خدا کا گھر یہ بت اللہ اکبر مول لیتے ہیں
نوید قتل ان کے جاں نثاروں سرفروشوں کو — قریب اب عید قرباں ہے وہ خنجر مول لیتے ہیں
غبار کوئے جاناں کی خریدار اپنی آنکھیں ہیں — ہم اُنکی گرد راہ لے باد صرصر مول لیتے ہیں
عروج خاکساری نشۂ مے میں بھی زیبا ہے — ہمیشہ پینے کو مٹی کا ساغر مول لیتے ہیں

شہیر آنکھیں نہ ہوں پُر آب کیونکر عشقِ حیدر میں
ہم ان دو ساغروں سے حوض کوثر مول لیتے ہیں

قرار سے رہیں کیا شوخ بے حجاب کہیں — ٹھہر سکا ہے کسی وقت آفتاب کہیں
حفاظت آپ کریں اپنی نوجوانی کی — نہ لوٹ لے کوئی یہ دولت شباب کہیں
یہ کیسی ابتری میخانہ میں ہے بے ساقی — سبو پڑے ہیں کہیں ساغر شراب کہیں
حرام میکدے کی ہے حلال کوثر کی — کہیں عذاب ہے بادہ کشی ثواب کہیں
وہ اپنے جوش جوانی میں آپ ہیں سرمست — شراب سے ہے سوا نشہ شباب کہیں
بس ایک رات کی مہمان نوجوانی تھی — کھلی جو آنکھ نہ تھا صبح کو شباب کہیں

شہیر داد وفا اور حسن والوں سے
یہ وہ سوال ہے جس کا نہیں جواب کہیں

۱۷- جنوری سنہ ۲۳ء

فراقِ یار میں مر مر کے صبح و شام کرتے ہیں ... بُرے حالوں بسر ہم زیست کے ایام کرتے ہیں
کرشمے آپ کے عاشق کشی کا کام کرتے ہیں ... قضا بیچاری کو تو مفت میں بدنام کرتے ہیں
نیاز عشق ادھر ہے اور ناز حسن اس جانب ... ہم اپنا کام کرتے ہیں وہ اپنا کام کرتے ہیں
یہ خواب ناز آنکا نالۂ شبگیر سے بولا ... خموش او بے ادب سرکار ابھی آرام کرتے ہیں
خبر ہوتی نہیں لے دل ذرا بھی انکی آنکھوں کو ... مگر تیر نظر اپنا برابر کام کرتے ہیں
غلام اپنا بنا لیتے ہیں فیض خوش کلامی سے ... زبانی خرچ سے وہ بندۂ بے دام کرتے ہیں

نہیں شیخ حرم سے کم وقار پیر میخانہ
ادب دل سے قہیر انکا بھی خاص و عام کرتے ہیں

۱۸ جولائی سنہ ۱۹ء

ادب سے ذکر میرا مجنوں و فرہاد کرتے ہیں ... مری شاگردی پر لے عشق فخر استاد کرتے ہیں
تمنا تھی کبھی یہ آ کے کہتا چوبدار اُنکا ... اُٹھو جلدی چلو سرکار تم کو یاد کرتے ہیں
تمھارے خفتگان خاک کا ہے اک جدا عالم ... نئی دنیا یہ سب زیر زمیں آباد کرتے ہیں
یہی تو دیکھنا ہے ان کی بزم ناز میں چل کر ... کسے وہ شاد کرتے ہیں کسے ناشاد کرتے ہیں
گلے کٹوا کے وہ نالہ کشوں کی جان لیتے ہیں ... نیا شہر خموشاں اندنوں آباد کرتے ہیں
حسینوں کی جفا ہے تازیانہ ہم کو غفلت کا ... بتوں کے ظلم پر اپنے خدا کو یاد کرتے ہیں
نہ تھا کچھ دور گلشن بھی قفس ہی لیکے اُڑ جاتے ... مگر پاس و لحاظ خاطر صیاد کرتے ہیں

خبر دیتی ہیں آ آ کر یہ مجھکو ہچکیاں میری — مبارک ہو تمہیں بھولے جو تجھے وہ یاد کرتے ہیں
فلک کے سینہ سے بھی پار ہونگے تیر آہوں کے — فرشتوں سے کہو ہٹ جائیں ہم فریاد کرتے ہیں
کھڑے ہیں دیر سے ہم انتظار حکم عالی میں — ہمارے حق میں آخر آپ کیا ارشاد کرتے ہیں
دفورِ غم سے بچوں کی طرح ہم رونے لگتے ہیں — کبھی پیری میں جب اپنی جوانی یاد کرتے ہیں

لڑکپن میں پڑھا تھا باب پنجم جو گلستاں کا
شہیر اب آپ پیری میں اُسے کیوں یاد کرتے ہیں

مزہ کھانے کا اُو ٹھے بھر دے اے ساقی پیالے میں — کہ دو دو گھونٹ پیتا جاؤں میں ہر اک نوالے میں
کڑک بجلی کی آسانی سے پیدا کروں نالے میں — اگر سن لوں کہ ہے تاب سماجت سننے والے میں
مری نیت ہوئی جاتی ہے ڈالوں ٹے دل اے ساقی — یہ کیا شئے تو نے بوتل سے اونڈیلی ہے پیالے میں
خیال زلف شب کو صبح کو ہے یاد عارض کی — اندھیرا ہے اندھیرے میں اُجالا ہے اُجالے میں
مجھے دھوکا دیا اے شوخ کمسن تیری صورت نے — یہ کیا معلوم تھا سب گن بھرے ہیں بھولے بھالے میں
جگر ہے خون ۔ دل دلدادۂ داغ محبت ہے — پڑے ہیں جان کے لالے پڑی ہے جان لالے میں
مزہ ہے دید کا اس کی جو ہو معشوق نادیدہ — نہیں کچھ لطف نظارے کا اے دل دیکھے بھالے میں
غرض ہر رنگ سے ہر رنگ میں یہ حسن ملتا ہے — صباحت بن کے گورے میں ملاحت بنکے کالے میں
کلیجہ تھام کر فرماتے ہیں وہ میرے شیون پر — بھرا ہے اُف غضب کا درد اس ظالم کے نالے میں
سیہ خانے ہیں میرے رات دن یکساں ہے تاریکی — نہیں ہے بال بھر بھی فرق اندھیرے اور اُجالے میں
بتاؤ تو شہیر آخر دم آخر یہ کیسا سوجھی — بتوں کی بندگی دیکھی نہیں اللہ والے میں

۲۵- نومبر ۱۹ء

ہوا بیگانہ پوشش سے جنون سوز وساماں میں
صفت شعلے کی پیدا کرلی اپنے جسم عریاں میں

بجائے نوبت شادی صدائے سینہ کوبی ہے
برات آئی کہ نعش آئی مری گور غریباں میں

مرا دست جنوں بھی پیرو شمشیر قاتل ہے
شگاف زخم کی ترکیب ہے چاک گریباں میں

لئے جاتے تو ہو میرے دل پُر داغ کو لیکن
یہ گلدستہ نہ رکھکر بھول جانا طاق نسیاں میں

وہ داغ عشق ہو یا رنگ حسن اک روز مٹنا ہے
یہ دو دن کی بہار لالہ و گل ہے گلستاں میں

سر مژگاں یہ آکر جم گیا ہے خون کا قطرہ
کہ دل چھد کر کسی کا رہ گیا ہے نوک پیکاں میں

یہ کس دیوانے سے ملنے کو جوش بیقراری ہے
کہ عالم موج بے تابی کا ہے ریگ بیاباں میں

ہوا اب فاش وہ راز جنوں بھی دست وحشت سے
چھپا رکھا تھا جسکو پردۂ جیب گریباں میں

فریب جلوۂ گل کیا ہے اک دھوکا ہی دھوکا ہے
نہیں ہے نام کو بوئے وفا رنگ گلستاں میں

کبھی تو یہ تجلی ہے کبھی تو اتنی تابش ہے
چراغ طور کی بتی ہے داغ قلب سوزاں میں

کہاں تک ہمت افزائی کہاں تک حوصلہ کاہی
کوئی حد بھی ہے کب تک دل رہے امید حرماں میں

نیاز شوق و شرم ناز میں فرق مراتب ہے
مرا سر پاؤں پر ہے اُن کا آغوش گریباں میں

مریض عشق کی قسمت میں جو لکھا ہی ہونا ہے
مرے جاتے ہیں چارہ ساز ناحق فکر درماں میں

قیامت کی ہے سنسانی غضب کی بے زبانی ہے
کسی کو تاب گویائی نہیں شہر خموشاں میں

دبا جاتا ہوں لے قاتل جھکا جاتا ہے سر میرا
گرانباری احساں سے ادائے شکر احساں میں

الٰہ آباد آکر اے شہیر اب فیض گریہ سے
کمی کیا گوہر اشک عزا کی یاد نیساں میں

۱۲ر دسمبر سنہ ۲۰ء

نوک لے جوش جنوں کیا انکی مژگاں میں نہیں
خون ہی لیکن یہاں میری رگ جاں میں نہیں

دھجیاں دست جنوں سے جیب و داماں میں نہیں
کوئی ٹکڑہ قسمتِ خارِ بیاباں میں نہیں

لے اجل اب روح میرے جسم بے جاں میں نہیں
ڈھونڈتی ہے کس کو یوسف اپنے زنداں میں نہیں

کس سے الجھے جوش وحشت میں مرا دستِ جنوں
تار بھی اب کوئی داماں و گریباں میں نہیں

عام ہے قید جنوں لے ہوشیار و ہوشیار
ہے وہی دیوانہ جو اس سال زنداں میں نہیں

پڑ گئی پھولوں پر ایسی اوس لے باد خزاں
نام کو بھی موج رنگ و بو گلستاں میں نہیں

جس جگہ ہو حسن ہو تم میں ہو یا یوسف میں ہو
خاص تخصیص اسکی کوئی مصر و کنعاں میں نہیں

ہو گئی ہو جو نہ انکی ٹھوکروں سے گرد برد
کوئی تربت ایسی اب گور غریباں میں نہیں

آپ کے منہ سے نہیں میں ہاں بھی تو نکلے کبھی
یہ بھی کوئی بات ہے ہر دم جو ہے ہاں میں نہیں

جانشین حضرت فرہاد و مجنوں تھا شہیر
بعد اس کے کوئی اب کوہ و بیاباں میں نہیں

ستمبر سنہ ۱۸ء

عیش و مستی کے خیالات خراب آتے ہیں
شامت آتی ہے جب ایام شباب آتے ہیں

ہو گیا غش سے افاقہ یہ خبر سنتے ہی
ہوش میں لانے کو لیکر وہ گلاب آتے ہیں

پا بہ و ستے دگرے دست بدست دگرے
پی کے میخانہ سے یوں مست شراب آتے ہیں

پہلے کچھ قدر جوانی کی نہ معلوم ہوئی
یاد پیری میں اب ایام شباب آتے ہیں

ناتوانوں میں حسینوں کا گزر ہوتا ہے	سب کو معلوم ہے کانٹوں میں گلاب آتے ہیں
ہوں کہیں کاتبِ اعمال پہنچتے ہیں وہیں	ہر جگہ ساتھ لئے اپنی کتاب آتے ہیں
نازو انداز و ادا حسنِ خرام و غمزہ	ہیے بلائے ہوئے ہمراہ شباب آتے ہیں

صبح پیری میں بھی ہے نیند جوانی کی شہیر
تجھکو غافل نظر ابتک یہی خواب آتے ہیں

۲؍ جون سنہ ۱۸ء

بات خاموشی میں وہ ہے جو نہیں تقریر میں	لطف گویائی کا ہے اے بت تری تصویر میں
سختی قیدِ جنوں جھیلوں یہ ہے تقدیر میں	ہے مری قسمت کا دانہ لوہے کی زنجیر میں
خانہ زاد کاکل پیچاں اسیر زلف ہیں	پرورش پائی ہے ہم نے خانۂ زنجیر میں
جم نہیں سکتا شبیہ یار میں رنگِ وفا	آ نہیں سکتی کبھی خوشبوئے گل تصویر میں
سو رہے ہیں کشتۂ بے خواب اے قاتل ترے	نیند آئی ہے ہوائے دامنِ شمشیر میں
جراتِ عرضِ تمنا خوف سے ہوتی نہیں	مطلب دل ڈر سے لا سکتے نہیں تحریر میں
حضرت یعقوب شب کو خواب میں آئے نظر	صبح کو وہ غیرت یوسف ملا تعبیر میں

ہو گیا تیر اجل کا میں نشانہ اے شہیر
رہ گئیں سب حسرتیں مر کر دل نخچیر میں

ولہ

ربط ہے یوں تیر و قلب عاشق دلگیر میں	دل میں ہے پیکان دل ہے جائے پیکاں تیر میں

اصل میں ہیں ایک دونوں رنگ ظاہر کا ہے فرق
خون کی سرخی سفیدی ہوگئی ہے شیر میں

ہے سرِ شوریدہ میں بچپن سے سودا زلف کا
ہوش بھی میں نے سنبھالا خانۂ زنجیر میں

گرمیِ الفت ادھر ہے سرد مہری اس طرف
ہم عرب میں وہ بت بے مہر ہے کشمیر میں

خط تو بھیجا ہے انھیں لیکن یہ ہے پورا یقین
پیش آئیگا وہی لکھا ہے جو تقدیر میں

عاشقانِ ابروئے جاناں عبث ہی کٹ مرے
چل گئی تلوار ناحق کوچۂ شمشیر میں

سینۂ گردوں سے بھی آہ رسا ہوتی ہے پار
توڑ اتنا اور یہ پلہ ہوا ئی تیر میں

عشق چشمِ یار نکلا پھیر قسمت کا ہے پھیر
آگئی گردش اُن آنکھوں کی مری تقدیر میں

۱۰ اکتوبر ۲۳ء

خلد کی نعمتوں میں لذت آزار نہیں
اتنی حوریں ہیں مگر کوئی دل آزار نہیں

بازیِ عشق میں سر دینے سے انکار نہیں
جان پر کھیلنا جانبازو نکو دشوار نہیں

مار ہی ڈالو جلانا نہیں منظور اگر
وعدۂ قتل تو کچھ وصل کا اقرار نہیں

سوکھے تنکے کی نہیں آگ میں ہستی کوئی
متحمل تپِ فرقت کا دلِ زار نہیں

ہوکے ہم مجرمِ الفت کسی قابل نہ رہے
ہوگئی حد کہ سزا کے بھی سزاوار نہیں

پاؤں پھیلا کے وہ اب چین سے گھر میں سوئیں
مرگیا میں کوئی نالاں پسِ دیوار نہیں

پاؤں کو توڑ کے کیوں آبلہ پا بیٹھ رہیں
کیا زمانہ میں کہیں وادیِ پرخار نہیں

دیدۂ دل سے تمھیں دیکھتے ہیں اہلِ نظر
لاکھ پردے بھی انھیں مانعِ دیدار نہیں

فصلِ گل عہدِ جوانی کو گزر جانے دو   ترکِ مے سے مجھے پھر واعظو انکار نہیں
مر گئے جاگنے والے شبِ فرقت کے شہیر
قبروں میں سو رہے ہیں اب کوئی بیدار نہیں

۱۳ر اگست سنہ ۲۳ء

اعتبارِ عمرِ فانی کچھ نہیں   چار دن کی زندگانی کچھ نہیں
وقتِ پیری زندگانی کچھ نہیں   زندگانی بے جوانی کچھ نہیں
آنسوؤں سے کیا بجھے دل کی لگی   آگ کے آگے یہ پانی کچھ نہیں
سن کے وہ افسانۂ الفت مرا   بولے یہ جھوٹی کہانی کچھ نہیں
اُس قفس میں دی جگہ صیاد نے   جس میں ہفتوں دانہ پانی کچھ نہیں
بے بقا ہے عالمِ ناپائیدار   کچھ نہیں دنیائے فانی کچھ نہیں
خشک ہے بے اشک کشتِ آرزو   سوکھتا ہے دھان پانی کچھ نہیں
جامِ مے جبتک ہے گردش میں شہیر
خوفِ دورِ آسمانی کچھ نہیں

دسمبر سنہ ۲۳ء

شرارے سوزِ دل کے آہ میں مل کر نکلتے ہیں   بجائے اشکِ گرم آنکھوں سے اب اخگر نکلتے ہیں
بدلے ہوش تو تابِ دید - وقتِ دستگیری ہے   سنور کر وہ حجابِ ناز سے باہر نکلتے ہیں
پھرے ہر گلی تا عمر مجھ مایوس و محزوں کو   کسی کے دل کے ارماں لٹ کے قافلہ بن کر نکلتے ہیں

نمائش کہتی ہے اٹھو حیا کہتی ہے گھر بیٹھو
نہ اندر رہتے بنتا ہے نہ وہ باہر نکلتے ہیں

نہیں ہے طاقت فریاد زور ناتوانی سے
بہ مشکل منہ سے نالے آہ ہو ہو کر نکلتے ہیں

کسی کو قتل کرتے گو انھیں دیکھا نہیں لیکن
جنازے اُنکے کوچہ سے مگر اکثر نکلتے ہیں

ابھی تک میرے در پے لے اجل سختی دوراں ہے
کہ جس جا قبر کھدتی ہے وہیں پتھر نکلتے ہیں

ہلاکت کا سبب ہے اوج پانا دون فطرت کا
قضا چیونٹی کی آتی ہے جب اُنکے پر نکلتے ہیں

شب وعدہ شمیر آتے ہیں روح تازہ جو ہو کر
دم رخصت سحر کو جان وہ بن کر نکلتے ہیں

دل کی چوٹیں داغ بن بنکر نمایاں ہو گئیں
جو جگر میں رہ گئیں وہ درد پنہاں ہو گئیں

عیش شب کی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں
تھیں خیالی صورتیں سب دن کو پنہاں ہو گئیں

عقل و دانش کی کتابیں کون پڑھتا عشق میں
کرم خوردہ ہو کے رہن طاق نسیاں ہو گئیں

شاخہائے گل میں گھر کر قید بلبل ہو گئی
ڈالیاں ہر سمت سے دیوار زنداں ہو گئیں

حیلہ جو تھیں رحمتیں حق کی پئے عفو گناہ
خود سبق آموز عذر سہو و نسیاں ہو گئیں

وہ امیدیں کیا اٹھاتیں سر دل مایوس میں
جو کہ پامال ہجوم یاس و حرماں ہو گئیں

چار بوندیں تھیں لہو کی دل جگر کی کائنات
وہ بھی صرف دعوت سوفار و پیکاں ہو گئیں

قید آب و گل سے دنیا میں نہ چھوٹے کائنات
چاروں دیواریں عناصر ہی کی زنداں ہو گئیں

جھوٹے وعدوں پہ جو دل خوش کن امیدیں تھیں شمیر
وائے ناکامی کہ وہ بھی یاس و حرماں ہو گئیں

سوزِ غمِ الفت کو رو رو کے بڑھاتے ہیں　　بیٹھے ہوئے پانی میں ہم آگ لگاتے ہیں
ہیں ضبط کی تاکیدیں آئینِ محبت میں　　پی جاتے ہیں جب آنسو آنکھوں میں آتے ہیں
سنگِ درِ جاناں پر حیلہ ہے جبیں سائی　　ہنستے ہوئے جاتے ہیں پٹتے ہوئے آتے ہیں
یوں کارکنِ فطرت کرتے ہیں چمن بندی　　شبنم کو رلاتے ہیں پھولوں کو ہنساتے ہیں
رکھدیں کھلی تربت میں احباب مرا لاشہ　　کچھ عیب نہیں ہوں میں جو مجھکو چھپاتے ہیں

کیوں آپ شہیرؔ انکو کر لیتے نہیں راضی
منت سے خوشامد سے روٹھے کو مناتے ہیں

صورتِ وحدت آشکار دیدۂ امتیاز میں　　جوہرِ فرد رونما آئینۂ مجاز میں
نغمۂ سازِ سوزِ غم۔ نالۂ دلنواز میں　　گرمیِ شوق پردۂ آہِ جگر گداز میں
چشمِ حقیقت آشنا۔ آئینۂ مجاز میں　　دیکھ رہی ہے اسکا عکس جو ہے حجابِ ناز میں
حالِ مریضِ ہجر کا۔ کیا ہے شبِ دراز میں　　جانے وہ کیا جو سو رہے جاکے حریمِ ناز میں
فتنے تو پڑکے سو رہے پہلوئے خوابِ ناز میں　　سحر کو راہ مل گئی دیدۂ نیم باز میں
اے دلِ درد آشنا اس سے جفا کا کیا گلہ　　ذوقِ ستم بھی ہو ملا جسکی ادائے ناز میں
پاؤں نکالتے نہیں وہ تو حریمِ ناز سے　　سجدے یہاں ہیں بیقرار ناصیۂ نیاز میں
انکے لبِ زبان میں گو جوہرِ راستی نہو　　جھوٹی تسلیاں تو ہیں وعدۂ حیلہ ساز میں
نالوں کی گرم جوشیاں۔ آہوں کی سرد مہریاں　　کرتی ہیں کارسازیاں عشق کے سوز و ساز میں

آپ کا دل تو پتھر ہے دل سنگ بھی تو موم ہو
ایسی ہے گرمیٔ اثر نالۂ دلگداز میں

راہِ تلاش یار میں جتنے ہیں ذرہ ہائے خاک
آنکھوں کے تارے ہیں یہ سب دیدۂ امتیاز میں

روز سیاہ ہجر کا ہو گیا سایہ بھی شریک
لگ گیا اور ایک پاٹ طول شبِ دراز میں

برق جلال طور سوز۔ نورِ جمال دلفروز
حکمت سوز و ساز ہے قدرت حق کے راز میں

بارش اشک غم کے ساتھ آہوں کی بجلیاں بھی ہیں
امن کی راہ بند ہے وادی برق تاز میں

گرد پھرے۔ فدا ہوئے۔ لاکھوں پتنگے جل مرے
شمع بھی گھل کے بجھ گئی اس غم جانگداز میں

شمع بجھی۔ سحر ہوئی۔ اوٹھ گئے اہل بزم بھی
رنگ شبینہ اب کہاں محفل سوز و ساز میں

حد سے بڑھائے جب قدم گر گئے آپ منہ کے بل
پائے طلب الجھ گئے دامن حرص و آز میں

حسن نظارہ سوز پر تاب نظر کسے شہیر
مصلحتاً اسی سے تو وہ ہیں حجاب ناز میں

ردیف و

نبی سا جو معشوق عاشق نما ہو
وہ محبوب حق کیوں نہ صل علیٰ ہو

علی سا وصی جس کا مشکل کشا ہو
وہ کونین کا کیوں نہ حاجت روا ہو

اگر پردۂ میم احمد اٹھا ہو
تو شان احد صاف جلوہ نما ہو

جو عشقِ نبی میں شہید وفا ہو | تو مرنے میں جینے کا حاصل مزا ہو
ہوں محوِ نظارۂ روئے احمد | مری چشمِ حق بیں میں نور خدا ہو
غرض یہ ہے اے شافعِ روزِ محشر | مرا کام اور نام آپ کا ہو

شہیر اُس کی امت کو کیا خوف محشر
جو محبوب حق ہو شفیع الورا ہو

لئے ساتھ اپنے ہر دم رکھتی ہے گرم عناں مجھکو | ٹھہرنے ہی نہیں دیتی کہیں عمرِ رواں مجھکو
ٹی جاتی ہے قوت دیتے جاتے ہیں جواب اعضا | چلا جاتا ہے چھوڑے راستہ میں کارواں مجھکو
سفر کا خاتمہ ہے منزل پیری پہ آ پہونچے | یہاں سے اب کہاں لیجائیگی عمرِ رواں مجھکو
ل مشہور ہے یہ سب کو اپنی جان پیاری ہے | تو پھر کسطرح تم پیارے نہو اے جانِ جاں مجھکو
ن راضی تھا خوشی سے اپنی قسمت سے بدل دیتا | اگر اے دوست تو ملتا نصیب دشمناں مجھکو
نس میں اپنی بے بال و پری پر پہروں روتا ہوں | جب اے صیاد آجاتی ہے یاد آشیاں مجھکو
و اخواہ چمن ہوں دم ترے پھولوں کا بھرتا ہوں | مخالف جانتا ہے کس لئے اے باغباں مجھکو
رونے پر ہنسو تازہ گرفتار مصیبت ہوں | ابھی اچھی طرح آتی نہیں آہ و فغاں مجھکو

میں ننگِ دودماں ہوں جانتا ہوں اے شہیر اسکو
غلط ہے لوگ کہتے ہیں جو فخرِ خانداں مجھکو

۵ ر نومبر ۲۲ء

لب نیاز و شکر ملا ہے بہار کو | دیکھو جھکا گلوں سے سرِ شاخسار کو

ہو دیکھنا اگر ستم روزگار کو دیکھو قفس میں مجھکو چمن میں بہار کو

جلوہ دکھا کے شوخیِ برقِ جمال کا تڑپا رہے ہیں اور دلِ بیقرار کو

گویا ہے ایک قطرۂ شبنم نوکِ خار یوں ہے ثبات ہستیِ ناپائدار کو

رکھتے نہیں کسی سے مکدر ہم اپنا دل آئینہ میں جگہ نہیں دیتے غبار کو

پھولوں کو دیکھے اپنے پرِ رنگی ہوا طیور بھڑکا رہے ہیں آتشِ رنگِ بہار کو

غربت کی شام صبحِ وطن دونوں دیکھکر سمجھا میں رازِ گردشِ لیل و نہار کو

پیری میں بھی شہیر شگفتہ ہو دل اگر
میں موسمِ خزاں میں دکھا دوں بہار کو

اشکوں سے سوزِ الفت میں کس طرح کمی ہو وہ آگ یہ نہیں ہے پانی سے جو بجھی ہو

خود نوحہ گر نہ اس پر کیوں مرگِ بیکسی ہو پرساں نہ اے غریبی جس کا کہیں کوئی ہو

ہو رشکِ حور کوئی یا غیرتِ پری ہو حیوان سے ہے بدتر جب تک نہ آدمی ہو

جلوے سے جسکے آنکھیں روشن ہوئیں ازل میں پہچانتا ہوں صاحب میں خوب تم وہی ہو

وقفہ چھلکنے میں کیا لبریز ساغروں کے کیا ڈبڈبائی آنکھوں میں اشکوں کی کمی ہو

یہ ٹیک ہے انوکھی یہ ضد بھی ہے نرالی جو میں کہوں نہ وہ ہو جو تم کہو وہی ہو

آوازِ لن ترانی گوش آشنا ہے میری مشتاق میں ہوں جس کا تم ہو نہ ہو وہی ہو

تھا لطفِ شعر خوانی تا عالمِ جوانی
پیری میں لے شہیر اب کیا خاک شاعری ہو

نالۂ دل ہے بے اثر سخت جگر اگر نہ ہو　　تیر نشانہ کیا اڑے کچھ بھی جو زور پر نہو
نورِ جمال پاک اگر آنکھوں میں جلوہ گر نہو　　روشنی بصر کبھی شیفتہ نظر نہ ہو
گرمیِ حسنِ یار کا جلوہ ہر ایک شئے میں ہے　　نار میں کیوں نہ نور ہو سنگ میں کیوں شرر نہو
پرسش حالِ دل کا ہائے کیا میں انھیں جواب دوں　　اسکو کسی کی کیا خبر اپنی جسے خبر نہ ہو
گردش چشم میں ہے کیف ساغرِ مے کے دور کا　　ساقی بزم بے خودی آپ ہی کی نظر نہو
پاس ادب ہزار دے مجھکو صدائے دورباش　　چہرۂ یار سے جدا میری مگر نظر نہو

روز فراق وہ طویل جس کی نہ شام ہو شہیر
ہجر کی رات وہ دراز جس کی کبھی سحر نہو

کچھ ہو عیاں نہ لیکن سوزِ غم نہاں ہو　　ہو جاؤں راکھ جلکر پھر بھی نہ کچھ دھواں ہو
ہونے کو یوں تو ہر جا ہر وقت ہر زماں ہو　　لیکن چھپے ہو ایسا کھلتا نہیں کہاں ہو
گردن کی رگ سے بھی ہو نزدیک تر جو ہر دم　　ہے طرفہ تر تماشا آنکھوں سے وہ نہاں ہو
ہے جب بہار رنگ و بوئے چمن دو روزہ　　گلشن میں شاخِ گل پر کیا فکر آشیاں ہو
مارو جلاؤ ایذا آزار دو کہ جی لو　　مالک ہو روح و تن کے مختار جسم و جاں ہو
بیمارِ غم کی صحت ہے منحصر اسی پر　　یعنی جو چارہ گر ہو وہ کچھ مزاج داں ہو

گزری شب جوانی ہے وقت صبح پیری
دیکھیں شہیر ہم کو شام آج کی کہاں ہو

ردیف ہ

اے شیخ آنکھ اگر ہے تو روئے نگار دیکھ
چل بتکدے میں قدرت پروردگار دیکھ

ہاں اک ذرا اِدھر بھی تو اے چشم یار دیکھ
آتا ہوا قرار دل بے قرار دیکھ

اے کان جز نوائے طرب اور کچھ نہ سُن
اے آنکھ صرف صورت زیبائے یار دیکھ

ہے رنگِ انقلاب سفید و سیاہ دہر
اے غافل آنکھ کھول کے لیل و نہار دیکھ

بجلی کو دیکھنا ہو جو اے شوخ برق وش
بیتابیوں میں میرا دلِ بیقرار دیکھ

اے جوش غم نہ قطع ہو رونے کا سلسلہ
اشکوں کا میرے ٹوٹنے پائے نہ تار دیکھ

دولھا بنے ہوے ہیں جوانان بوستاں
چل اے شہیر حسنِ عروس بہار دیکھ

ردیف ی

نہ ہو جس دل میں تم وہ دل نہیں ہے
کہ بے محمل نشیں محمل نہیں ہے

مرا دشمن ہے میرا دل نہیں ہے
کوئی اس کے سوا قاتل نہیں ہے

جو داغ عشق کے قابل نہیں ہے
وہ اک بیکار شے ہے دل نہیں ہے

جو ہم چاہیں ہمیں دشوار ہے وصل
جو تم چاہو تو کچھ مشکل نہیں ہے

تمھارے ہاتھ میں اوروں کے دل ہیں
مرے قابو میں میرا دل نہیں ہے

محیط عشق ہے وہ بحرِ ذخّار
ہزاروں کوس تک ساحل نہیں ہے

خودی ایسی سمائی ہے کہ توبہ
خدا کا بھی وہ بت قایل نہیں ہے

نہ توڑ اے خانہ برانداز کافر
خدا کا گھر ہے میرا دل نہیں ہے

بتوں کی یاد میں بھی ذکر حق ہے
شہیر اللہ سے غافل نہیں ہے

داغ جگر سے گوشۂ عزلت کے واسطے
اچھا چراغ پایا ہے خلوت کے واسطے

حسن و جمال ہے تری صورت کے واسطے
صورت تری ہے عشق و محبت کے واسطے

کام آئے خوب ہجر میں داغ دل و جگر
دو دو چراغ تھے شبِ فرقت کے واسطے

اے عشق تیری وجہ سے سب سے برے ہوئے
دشمن بنے ہر اک سے محبت کے واسطے

طولِ شب فراق سے گھبرا گیا یہ جی
مانگیں دعائیں صبح قیامت کے واسطے

سچ ہے مریضِ ہجر و محبت کی جان کیا
کیوں کوئی آئے میری عیادت کے واسطے

کب تک رہیں گی پردے میں یہ لن ترانیاں
آنکھیں ترستی ہیں تری صورت کے واسطے

کوچہ میں ان کے ہے یہ صدا مجھ فقیر کی
دو گز زمین چاہیئے تربت کے واسطے

حسن و جمال دوست کا دل جلوہ گاہ ہے
یہ آئینہ ہے یار کی صورت کے واسطے

گھبرا نہ جائیں دیکھ کے دم توڑتا ہوا
وہ نزع میں نہ آئیں عیادت کے واسطے

یہ جتنے فتنے اُٹھتے ہیں روز انکی چال سے
سب جمع ہو رہے ہیں قیامت کے واسطے

فرماتے ہیں وہ سُن کے تخلص شہیر کا
رکھا ہے خوب نام یہ شہرت کے واسطے

۱۰- اگست سنہ ۲۳ء

چلے تھے گھر سے کعبہ کو سوئے دیر بتاں آئے
ارادہ تھا کہاں کا بھول کر رستہ کہاں آئے

شب وعدہ وہاں کا ہیکو وہ آرام جاں آئے
جہاں مرغ سحر بولے جہاں شور اذاں آئے

ترا در چھوڑ کر اے بت جو مجھ سا پا شکستہ ہو
کہاں اٹھے کہاں بیٹھے کہاں جائے کہاں آئے

قفس میں صورت ابر بہاری جسکو رونا ہو
اُسے کیا موسم گل جائے یا فصل خزاں آئے

ڈراتی ہے درازی شب غم کس کو فرقت میں
نہیں ڈرتا بلائے موت سے میں کہدے ہاں آئے

زباں اپنی ہو نا کام طرز عرض مطلب میں
بلا سے کچھ نہ آئے لیکن انداز بیاں آئے

سلامت ہے سر شوریدہ تو افتاد کا غم کیا
جہاں تک آنے والی ہو بلائے آسماں آئے

مرے نالے شب غم یہ منادی کرتے پھرتے ہیں
جسے ہو جان پیاری وہ نہ زیر آسماں آئے

سنو تم گوش دل سے تو سناؤں اپنا افسانہ
مرا بھی جی لگے تمکو بھی لطف داستاں آئے

تعارف اے شہیر اضداد ہی ہوتا ہے اشیا کا
خیال دشمناں میں کیوں نہ یاد دوستاں آئے

۲۶ ستمبر سنہ ۲۳ء

شب بلا کیا خبر کسی کو کہ غم سے حالت ہے کیا کسی کی

عذاب میں کون مبتلا ہے کسی سے پوچھے بلا کسی کی
قبول ہوتی نہیں بتوں میں کبھی کوئی التجا کسی کی
زرا بھی ڈرتے نہیں یہ ظالم کہیں نہ سُن لے خدا کسی کی
خبر نہ ہو جب تو خاک سمجھیں ہم ابتدا انتہا کسی کی
کہاں سے آغاز ہے وفا کا کہاں سے حد جفا کسی کی
کریں گے برباد آکے جھونکے رہیگا قائم نہ کوئی ذرّہ
تمھارے کوچہ میں رہنے دیگی نہ خاک تک بھی ہوا کسی کی
زبانِ ناآشنائے شکوہ ہے لب گلہ سے نہیں ہیں واقف
یہ غیر ممکن ہے میں شکایت کبھی کروں اُنکی یا کسی کی
ادا کیا جس لب و زباں سے ہمیشہ شکر و سپاس قاتل
اُسی سے پیشِ خدا شکایت کروں میں محشر میں کیا کسی کی
کہیں ہے عقد گہر سے بہتر شہیرؔ تعقید اس غزل میں
کرے کوئی اعتراض وارد مجال یہ کیا بھلا کسی کی

۲۷ ستمبر ۲۳ء

غلغلۂ بہار باغ رشکِ نوائے ساز ہے ... رنگ شگفتگیِ گل پردہ کشائے راز ہے
عشق کے ساتھ حسن کا سازِ عجیب راز ہے ... یعنی دیا ہے جس نے درد آپ وہ چارہ ساز ہے
دستِ ہوس میں اے اجل دامنِ حرص و آز ہے ... طولِ امل کا سلسلہ عمر سے بھی دراز ہے

رنج فراق جانگسل۔ شادیٔ وصل دل گداز
دونوں کا ہے مآل ایک یہ بھی عجیب راز ہے

صوم و صلوٰۃ کچھ نہیں۔ نورِ یقیں اگر نہیں
حسنِ عقیدت اصل میں بندگی و نماز ہے

تیغ بکف ہیں وہ اُدھر میں ہوں جھکائے سر اِدھر
یعنی ہے ناز ایک سمت۔ ایک طرف نیاز ہے

ڈرتے ہیں آبرو کو سب کہتے ہیں کون منہ لگے
خنجرِ قاتلِ اجل سخت زباں دراز ہے

کیفِ مئے شباب ہے ہوشربا ہیں جامِ چشم
انکی نگاہ مست ہی ساقیٔ بزمِ ناز ہے

نیتِ ترک ہے ضرور لیکن ابھی بہت ہے وقت
کیوں کروں بند میکشی جب درِ توبہ باز ہے

گو کہ خدا سے ہے سوال پھر بھی ہیں سخت انفعال
آنکھیں جھکی ہیں شرم سے دستِ دعا دراز ہے

غم نہیں کار بستہ کا صاف ہے یہ کھلا کھلا
جس کے کرم کی آس ہے آپ وہ کارساز ہے

کر دیا ناز آفریں ہر بتِ خوش جمال کو
یہ بھی شہیرؔ قدرتِ خالقِ بے نیاز ہے

بندے تمھارے کافر و دیندار ہو گئے
آزاد اسیرِ سبحہ و زنار ہو گئے

اعضائے جسم شیب میں بیکار ہو گئے
گرتے ہوئے مکان کی دیوار ہو گئے

ممنونِ منتِ بنِ مریم نہیں ہوئے
اچھے رہے جو عشق کے بیمار ہو گئے

ساری یہ عشق و حسن کی ہیں کارسازیاں
ہم دل فگار آپ دل آزار ہو گئے

آنکھوں سے جو ٹپک نہ سکے قطرہ ہائے خوں
وہ داغ بن کے دل پہ نمودار ہو گئے

اُن کی کشیدگی نے ہزاروں کی جان لی
وہ کھنچتے کھنچتے آپ ہی تلوار ہو گئے

کوچہ میں اُن کے نقشِ قدم بن کے پڑ رہے
جس وقت اُٹھ کھڑے ہوئے دیوار ہو گئے

یہ سعیِ پائے بادیہ پیما ہے لے جنوں　　رستے جو کوہ و دشت کے ہموار ہو گئے
مرتے دم آئی ساقیِ بزمِ ازل کی یاد　　مستِ الست نزع میں ہشیار ہو گئے
آباد میکدے ہوئے فصلِ بہار میں　　ہر سمت ٹوٹی توبہ کے انبار ہو گئے
سب مٹ گئیں شکائتیں سوزِ فراق کی　　ٹھنڈے دمِ سحر ترے بیمار ہو گئے

دامِ فریبِ ہستی ناپائیدار میں
ناحق شہیرؔ آ کے گرفتار ہو گئے

زاہدو جانتے ہو شیشوں میں کیا ہوتا ہے　　پارسائی کا لہو سب میں بھرا ہوتا ہے
جلوہ آرائیِ صورت ہے طلسمِ حیرت　　حسن، آئینۂ تصویر نما ہوتا ہے
ہُو کے عالم میں گزر ہے ترے دیوانوں کا　　یہ وہاں رہتے ہیں جس جا کہ خدا ہوتا ہے
دل شکن باتیں وہ لکھتے ہیں جواب خط میں　　پیش آتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے
ساتھ دیتا نہیں کوئی شبِ تنہائی میں　　مجھ سے سایہ بھی سرِ شام جدا ہوتا ہے
بوسۂ لب مجھے دیتے بھی ہیں تو غیر کے بعد　　شہد ملتا ہے مگر زہر ملا ہوتا ہے
قید میں مائلِ پرواز ہے روحِ بلبل　　طائرِ جاں قفسِ تن سے رہا ہوتا ہے
شوق سے وار و مرے دل کو تم اپنے سر سے　　صدقہ سب جانتے ہیں ردِّ بلا ہوتا ہے

غازۂ روئے قمر ہوتی ہے وہ خاک شہیرؔ
جس پر اُس شوخ کا نقشِ کفِ پا ہوتا ہے

دلِ عشاق عناصر سے جدا ہوتا ہے　　یہ تو کچھ اور ہی چیزوں سے بنا ہوتا ہے

پار کر دیتا ہے بیڑا وہی مایوسوں کا — ناخدا ڈوبتی کشتی کا خدا ہوتا ہے
نہیں رہتی کسی بیدرد کو بھی تابِ نظر — نگہِ یاس میں وہ درد بھرا ہوتا ہے
اے فلک لاگ لگانا نہیں ہم سے اچھا — دل جلا تو نے سنا ہوگا برا ہوتا ہے
پرسشِ حالتِ دل ہوتی ہے نشتر بہ جگر — درد ہمدردیوں سے اور سوا ہوتا ہے
رہتے ہیں زندۂ جاوید شہیدانِ وفا — ان کا ہر قطرۂ خوں آبِ بقا ہوتا ہے
سیر ہوتا ہی نہیں لذتِ آزار سے دل — کچھ عجب دردِ محبت کا مزا ہوتا ہے
عینِ دانائی ہے مجنونِ محبت بننا — دل مرا عاقل دیوانہ نما ہوتا ہے
ہائے پرساں نہیں بیمارِ محبت کا کوئی — کون آمادۂ تدبیرِ شفا ہوتا ہے

اپنے اللہ سے کہہ دیتا ہوں سب دل کی شہیر
سننے والا مری باتوں کا خدا ہوتا ہے

مئی سنہ ۱۲ء

ہے وبالِ جاں شبِ غم یہ گراں جانی مری — کھو دے آ کر اے اجل تکلیفِ روحانی مری
شکوۂ وعدہ خلافی کر کے خود محجوب ہوں — بڑھ گئی اُن کی ندامت سے پشیمانی مری
در پئے حسنِ قناعت ہے زلیخائے ہوس — گم نہ ہو یوسف سے یارب پاکدامانی مری
دونوں ہیں غمّاز گویا رازِ حسن و عشق کے — آپ کی جمعیتِ خاطر ـ پریشانی مری
سجدے کو ملتا نہ سنگِ آستانِ یار اگر — ناک گھستی کس کے در پر جا کے پیشانی مری
ہے نمودِ سیمیائی یا طلسماتِ حباب — نقش بر آب اے اجل ہے ہستیِ فانی مری

آج رکھ لی آبروئے شرم گنہ نے حشر میں — اس پریشانی میں کام آئی پشیمانی مری
تھی کنارِ نیستی میں پرورش پائی ہوئی — بے بقا کیونکر نہ ہوتی ہستی فانی مری

پاک ہے تعقید سے ہر شعر کی کیسی ردیف
اے شہیر نکتہ رس دیکھی سخندانی مری

۱۹- دسمبر ۲۲ء

پھنسیں ہیں قید آب و گل میں روحیں جسم انسانکی — عناصر کی حدیں ہیں سمت دیواریں ہیں زندانکی
مری صورت پرستی معنی حسنِ عقیدت ہے — تجلی ہے جمالِ شاہد پیدا میں پنہاں کی
پلا دیتے ہیں پانی پاؤں کے چھالے ترس کھا کر — زبانیں دیکھکر سوکھی ہوئی خار بیابانکی
غنیمت وحشت جامہ دری کو کیوں نہ میں سمجھوں — یہی ہے یادگار اک صحبت دست و گریباں کی
کہاں کی تنگنائے دل میں یا رب اتنی وسعت ہے — کہ گنجائش نکلتی آتی ہے غمہائے دوراں کی
اثر چہرے ہی سے ظاہر ہے رنگ نامرادی کا — مری صورت ہی آئینہ ہے شکل یاس و حرمانکی
نظر آئے تماشا پتلیوں میں عکس قاتل کا — اگر کھینچے کوئی تصویر میری چشم حیراں کی
تو خود جذبِ الفت سے ہوا تو تثنیہ کیسا — محبت میں نہیں تفریق کوئی جان جانانکی
کیا ہے عشق نے مجموعۂ ہوش و حواس ابتر — کرے شیرازہ بندی کون ان اجزائے پریشانکی
ذرا بھی جسکو فرصت ہو نہ اپنی کنگھی چوٹی سے — بھلا وہ کیا خبر لیگا مرے حالِ پریشانکی
اوچھلنا سینہ میں رہ رہ دلِ بیتاب و مضطر کا — قفس میں ہمت پرواز ہے مرغ پر افشانکی
شہیر اس عاشق ناکام کو ہر کام مشکل ہے — جسے آسانیاں دشواریاں ہیں کار آساں کی

پہلے تو گھبراتی تھی قالب میں روح آتے ہوئے
جان نکلی جاتی ہے اب جسم سے جاتے ہوئے

تھی نگاہِ اولِ الفت نگاہِ واپسیں
دیر کیا تھی دل کو آتے جان کو جاتے ہوئے

کوچۂ قاتل میں میری قبر کا ہے یہ پتہ
داہنے پڑتی ہے جاتے بائیں کو آتے ہوئے

داورِ محشر نے دیدی میری منہ مانگی مراد
کیوں ہوس حور و نکیریں کرتا تحسین پاتے ہوئے

قدِ آدم اور بھی شورِ قیامت بڑھ گیا
عرصۂ محشر میں وہ آئے جو اٹھلاتے ہوئے

جب سے سوئے مرقدوں میں آکے پھر کروٹ نہ لی
مست خوابِ مرگ ایسے نیند کے ماتے ہوئے

گور سے بھی بڑھ کے مردم خور تو یہ فکر ہے
دیر ہی لگتی نہیں انسان کو کھاتے ہوئے

صبحِ رخصت ہے ابھی تا شام جینا ہو چکا
اک نظر پھر دیکھ لے اے جان جان جاتے ہوئے

یاد ہیں وہ دن تمہاری نوجوانی کے مشہیر
پھرتے تھے راتوں کو جب گلیوں میں تم گاتے ہوئے

۲۱- دسمبر ۱۹۶۰ء

صحبت تری عام ہو گئی ہے
اس سے بدنام ہو گئی ہے

کہنے لگے ہیں جو صبح سے حال
اکثر ہمیں شام ہو گئی ہے

ہر گھر میں تری تجلیِ حسن
زیبِ در و بام ہو گئی ہے

قاضی کو حلال مفت کی ہے
داموں کی حرام ہو گئی ہے

شب کو وہیں پڑ رہے ہیں تھک کر
جس جا ہمیں شام ہو گئی ہے

مے نوشوں کی سرنوشت اے شیخ
خطِ لبِ جام ہو گئی ہے

دنیا کو طلاق دو جوانو — بوڑھی بے کام ہو گئی ہے
پیری میں شب شباب کی بات — یاد ایام ہو گئی ہے

دنیائے سخن میں اے شہیر اب
شہرت مرا نام ہو گئی ہے

ہماری لاش جس دن کوچۂ قاتل سے نکلیگی — تمنائے دل ناشاد اسی دن دل سے نکلیگی
کسی دن تو ہمارے دل کی حسرت دل سے نکلیگی — کبھی تو لیلیٰ محمل نشیں محمل سے نکلیگی
اگر ہے عشق صادق تو اثر بھی آہ میں ہوگا — سمجھ لو دل میں بیٹھے گی وہی جو دل سے نکلیگی
مجھے چڑھ چڑھ کے وہ کوسینگے میں انکو دعا دونگا — وہ ان کے دل سے نکلیگی یہ میرے دل سے نکلیگی
وہی رُلوائیگی آنسو لہو کے چشم قاتل سے — نگاہ آخری جو دیدۂ بسمل سے نکلیگی
زمانہ بھر کی بربادی کا گھر ہوگا دل ویراں — خرابی ساری دنیا کی اسی منزل سے نکلیگی

شہیر اب عالم پیری ہے کچھ تو فکر عقبیٰ کر
ہوس دنیا کی اے غافل نہ کب تک دل سے نکلیگی

۲۰- اپریل سنہ ۱۲ء

تنہا لڑے گی مجمع محشر میں سبھی سے — لاکھوں میں بھی وہ آنکھ نہ جھپکے گی کسی سے
ناراض نہ ہو۔ تھا مرا انکار ہنسی سے — لو شوق سے۔ یہ دل تمہیں دیتا ہوں خوشی سے
کل شیخ کو دیکھا تھا کہ ساقی کی گلی سے — کیا جھومتے گاتے چلے آتے تھے خوشی سے
خاموشیٔ شرم آپ کی ہے غنچہ لبی سے — دامانِ حیا کی ہے بہار ایک کلی سے

تنہائی میں باتیں جو ہوا کرتی ہیں جی سے
افسوس اُسے کہہ نہیں سکتا میں کسی سے

ہیں مست شہیر آج مے حب علی سے
کل حشر میں کوثر کی اُڑائینگے خوشی سے

انسان نے وہ بار غم عشق اٹھایا
جو جن و ملائک میں نہ اٹھا تھا کسی سے

اغیار بھی تو مدعی عشق ہیں آخر
نفرت تمھیں ان سے بھی ہے یا صرف مجھی سے

کچھ درد محبت کا مزہ کہہ نہیں سکتا
اس لذت آزار کو پوچھو مرے جی سے

کیا غم بھی ضروری ہے شہیر اپنی خوشی میں
دیکھا ہے کہ آنسو نکل آتے ہیں خوشی سے

۲۹- ستمبر سنہ ۱۲ء

یک دلی کا لطف حاصل عشق کامل میں رہے
جو ہمارے دل میں ہو وہ آپکے دل میں رہے

وسعت کونین جس کے واسطے کافی نہ ہو
قدرت حق ہے سمٹ کر وہ مرے دل میں رہے

ہوگیا جس جا گزر۔ اس جا گھر اپنا کر لیا
ہو گئے اُس دل کے مالک آپ جس دل میں رہے

ہم تو از خود رفتگی سے اپنے آپے میں نہ تھے
کیا بتائیں کس طرح اس بت کی محفل میں رہے

ہم کو اس شہر خموشاں سے اٹھا لائے شور حشر
کون منہ باندھے ہوئے گونگوں کی محفل میں رہے

سوز غم داغ جگر کے ساتھ اک یہ بھی سہی
درد الفت کیوں کہیں جائے مرے دل میں رہے

خانقہ سے بزم رنداں میں اب آئے ہیں شہیر
پہلے تو اللہ والوں ہی کی محفل میں رہے

۲۴۔ اکتوبر سنہ ۱۲ء

وہ نار ہوں کہ باعث آزار سانس ہے
تار نفس مری رگ گردن میں پھانس ہے

اس بے پری پر آہ اسیر قفس بھی ہوں
صیاد سنگدل کی یہ سب کاٹ پھانس ہے

بے کس مریض ہجر کا پرساں نہیں کوئی
بس آنے جانے والی اگر ہے تو سانس ہے

نیرنگ عشق یہ ہے کہ اضداد جمع ہیں
کیا نالہ ہائے گرم ہیں کیا ٹھنڈی سانس ہے

حالت مریض ہجر کی اب پوچھتے ہو کیا
ساقط ہے نبض جسم ہے سرد۔ اکھڑی سانس ہے

دنیا سنائے فلسفۂ زندگی ہزار
ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جو کچھ ہے سانس ہے

عشق مژہ کی دل سے خلش جا چکی شبیر
نکلے وہ کس طرح جو کلیجہ کی پھانس ہے

۱۲۔ نومبر سنہ ۱۲ء

لب سوفار جو سرگوشیاں کرتا ہے قاتل سے
وہ کہہ دیتا ہے سب پیکان تیر آ کر مرے دل سے

نہ نکلا کام کوئی مرتے دم بھی نالۂ دل سے
لہو میں ڈوبی ہاں اک آہ نکلی وہ بھی مشکل سے

اگرچہ کام لیتا قیس اپنے جذبۂ دل سے
نکل آتی تڑپ کر آپ لیلی اپنی محمل سے

لحد سے عرصۂ محشر کو طے کرنا قیامت ہے
کہیں یہ دوسری منزل کڑی ہے پہلی منزل سے

نہیں آساں اے دل صاف ہونا تجھ سے زلفوں کا
جو گتھی پڑ گئی ہے وہ ذرا سلجھیگی مشکل سے

اگر کوئی تمنا بھی بر آئی اے فلک تو کیا
ہزاروں حسرتیں ایسی ہیں جو نکلی نہیں دل سے

غم و اندوہ و درد و داغ و یاس و حسرت و حرماں
یہ اتنے بیکسوں کی پرورش ہے اک مرے دل سے

بتا اے بید مجنوں کیا ہوا سایہ نشیں تیرا — بہت روتی ہے سر ٹکرا کے لیلی چوبِ محمل سے
دوئی کا اٹھ گیا پردہ تو پھر جلوہ ہی وحدت کا — تقرب ہو گیا حاصل جہاں دل مل گیا دل سے
تلاشِ یار میں پروا نہیں طولِ مسافت کی — مرے پائے طلب تھکتے نہیں دوریٔ منزل سے
سوا اللہ کے کوئی سمجھتا ہے نہ سنتا ہے — زبانِ بے زبانی میں جو باتیں ہوتی ہیں دل سے

طبیعت میل ہی کھاتی نہیں ظاہر پرستوں سے
شہیر اس سے میں ملنا چاہتا ہوں جو ملے دل سے

۱- اپریل ۱۷ء

اقرار وصل کر کے وہ انکار کر گئے — دیگر زبان - قول بدل کر مکر گئے
ابتک پھرا نہ کوئی - کئی نامہ بر گئے — کم بخت سب کے سب وہاں جا جا کے مر گئے
وہ میرے گھر سے وقتِ طلوعِ سحر گئے — تڑکا ہوا جو نور کا اندھیر کر گئے
بے سود زندگی ہے جوانی نہ جب رہی — جو حاصلِ حیات تھے وہ دن گذر گئے
آتے ہی جلدی پڑتی ہے جانے کی بھی انھیں — حالت یہ ہوتی ہے ادھر آئے ادھر گئے
غم اپنے قتل کا نہیں اس کا خیال ہے — ناحق ہمارے خون میں ہاتھ انکے بھر گئے

پوچھی جو ان سے خیریت حضرت شہیر
فرمایا ہنس کے سنتے ہیں بیچارے مر گئے

آغوشِ شوق میں جو دبایا مزار نے — لطفِ وصالِ یار دکھایا فشار نے
کیا ضبطِ آہ و اشک کیا خاکسار نے — روکا ہے آندھی پانی کو مشتِ غبار نے

پانی سے اور آتشِ گل تیز ہو گئی — بھڑکائی آگ آتشِ ابرِ بہار نے
ظاہر نہ ہونے پائیں سیہ کاریاں مری — کیں خوب پردہ پوشیاں شبہائے تار نے
سجدہ قبول کر کے جبینِ نیاز کا — کیا سربلند مجھ کو کیا پائے یار نے
دکھ درد میں نہیں ہے کسی کا کوئی شریک — چھوڑا ہے دل کا ساتھ شکیب و قرار نے
اندھیر کر رہے ہیں شبِ وصل آپ بھی — بیٹھے ہیں آدھی رات کو زلفیں سنوارنے

دیتے ہی دل بنا نہ کوئی بس چلا شہیر
بے اختیار کر دیا۔ با اختیار نے

۳۰۔ اگست ۷۰ء

فلک نے رہگذرِ یار میں فنا کر کے — مٹایا خاک نشینوں کو نقشِ پا کر کے
وہ کام۔ جیسے مرا جس کی ابتدا کر کے — اب اُس کو میں نے دکھایا ہے انتہا کر کے
مریں گے ہم دل و جاں آپ پر فدا کر کے — قضا کریں گے محبت کا فرض ادا کر کے
کمی وفا میں نہ کی وعدۂ وفا کر کے — دکھا دیا عملاً منہ سے جو کہا کر کے
پہنچتی ہے گلِ عارض کی دور تک خوشبو — وہ بیٹھتے ہیں جو رخ جانبِ ہوا کر کے
دمِ اخیر ضعیفی میں آئی یادِ خدا — نمازِ صبح پڑھی تو مگر قضا کر کے
بتوں نے کر دیا بے آس آسرا دے کر — بتوں سے ہو گئے بے آس آسرا کر کے
نمود پائی تھی دم بھر کی وہ بھی نقش بر آب — حباب ٹوٹ گئے ہوا خواہی ہوا کر کے
لٹے شفاعت و رحمت کے لوٹے محشر میں — گناہگار ہی اچھے رہے خطا کر کے

نکال دل سے نہ پیکان تیر او بیداد   ستانہ گوشت سے ناخن کو یوں جدا کرکے

نتیجہ کیا ہے پرستاری بتاں کا شہیر
بہشت و حور نہ لو طاعت خدا کرکے

جس میں ہے لطف زیست وہ اپنی ممات ہے   خونابۂ جگر مجھے آب حیات ہے
دنیا میں کس کو قید فنا سے نجات ہے   دام بلائے مرگ میں مرغ حیات ہے
دکھلا رہا ہے جلوۂ ابرو وہ ماہ عید   اہل نجوم جانتے ہیں چاندرات ہے
ظاہر پیام یار اسے کس طرح کروں   جو خاص انکے کان میں کہنے کی بات ہے
جاہل کو قدر کیا ہو فروغ کلام کی   اندھے کے آگے دن بھی اگر ہو تو رات ہے
دیتے نہیں اجازت اظہار حال وہ   سنتے نہیں سمجھتے ہیں مطلب کی بات ہے
گریاں ہیں ساتھ ساتھ جنازے کے اقربا   دولھا ہے خواب مرگ میں روتی برات ہے
اک بوریائے فقر ہے دو گز زمین پہ   میری یہی بساط یہی کائنات ہے
یہ دیکھنا ہے کون وہ ایسا ہے خوش نصیب   جس پر حضور کی نظر التفات ہے
زاہد کے اتقا و عبادت میں ہے ریا   واللہ سب نمائشی صوم و صلوٰۃ ہے
موئے سفید پہ بھی سیہ کاریاں وہی   پیری کی صبح مجھکو جوانی کی رات ہے
گھیرے ہیں نیستی کے ہے ہستی بے بقا   دور فنا میں دائرۂ کائنات ہے
مسرور وصل کوئی کوئی غم نصیب ہجر   کیفیتیں تو دو ہیں۔ مگر ایک رات ہے
دنیائے شاعری میں ہے شہرت شہیر کی   ہاں اسکی عمر بھر کی یہی کائنات ہے

سنہ ۱۷ء

حشر میں بھی بیکسی مجھ پر رہی چھائی ہوئی — دور اس مجمع میں بھی مجھ سے تنہائی ہوئی
تھی نگاہ شوق پہلے ہی سے للچائی ہوئی — باعث تحریک اور اس بت کی انگڑائی ہوئی
عمر سب اپنی جو صرف بادہ پیمائی ہوئی — مر کے تربت سبزۂ مرقد سے مینائی ہوئی
یہ لگاوٹ کی ادائیں کوئی ان سے سیکھ جائے — شوخ چتون اور اس پر آنکھ شرمائی ہوئی
جان کی سر کی خدا کی دین کی قرآن کی — جھوٹی جھوٹی سب قسمیں انکی ہیں کھائی ہوئی
ترک یاروے جوانی میں بہت دشوار ہے — رک نہیں سکتی طبیعت جوش پر آئی ہوئی

گلشن عالم میں سب افسردہ دل ہیں اے شہیر
باغ بھر میں اک کلی ہے صرف مرجھائی ہوئی

۱۳- اپریل سنہ ۱۹ء

شہید ناز کا دم تیغ ہی کیا صرف بھرتی ہے — شہادت جان دیتی ہے عروس لگ مرتی ہے
نگاہ ناز قاتل - اپنا پورا وار کرتی ہے — وہ کیا جانے اسے دل پر کسی کے کیا گزرتی ہے
مسیح و خضر کے جینے پر آتا ہے عجب مجھ کو — کہ انکی بے مئے و معشوق کے کیونکر گزرتی ہے
خموشی بھی تری تصویر کی اے بت ہے گویائی — زبان بے زبانی میں یہ سب باتیں کرتی ہے
محبت دلنواز دل ہے دل دلدادۂ الفت — یہ اسکو پیار کرتا ہے وہ اسکو پیار کرتی ہے
و نہیں اک تو کلیجہ غم سے روتے روتے پانی ہے — تری یاد اس پہ آ کر اور دل کا خون کرتی ہے
علاج ان ناصحوں کی میں نہ مانوں گا نہ مانوں گا — گزرنے دیں مری جیسی گزرتی ہے گزرتی ہے

تمہارے چشم جادو فن میں ہے معجز نمائی بھی
عجب بیمار یہ ہے جو مسیحائی بھی کرتی ہے

طبیعت رہتی ہے آٹھو پہر گھبرائی گھبرائی
نہ بہلائے بہلتی ہے نہ ٹھہرائے ٹھہرتی ہے

کلیجہ منہ تک آجاتا ہے ہچکی جو ہے آتی
بہت بے چین رونے میں کسی کی یاد آتی ہے

کبھی اک بات پر قائم نہیں رہتی زباں انکی
جو کل اقرار کرتی ہے تو آج انکار کرتی ہے

محبت ہمدم دل ہے نکل سکتی نہیں دل سے
یہ دل کی زندگی جیتی ہے دلکی موت مرتی ہے

شہیر تشنہ کام عشق کی اب ہے رہی حالت
گلے سے بوند بھی پانی کی مشکل سے اترتی ہے

۱۱ر جولائی سنہ ۱۹ء

کبھی حاصل نہ دید دلبر پردہ نشیں ہوتی
نگاہ شوق اگر دل میں نہ اتنی دوربیں ہوتی

بدلتے قول تجھکو دیر کیا اے نازنیں ہوتی
نکل کر دل سے منہ تک آتے آتے ہاں نہیں ہوتی

پرستاری بتونکی قوت ایمان و دیں ہوتی
یہی زنار کچے دھاگونکی حبل المتیں ہوتی

نہ دیدوں کیطرح اہل نظر سب ٹوٹ پڑتے ہیں
کریں کیا نعمت دیدار سے سیری نہیں ہوتی

جفائے آسماں سے تنگ تھے جا کر وہیں بستے
نہوتا یہ فلک جس جا زمیں ایسی کہیں ہوتی

سمجھتے ہیں جسے قاتل اُسی پر ہائے مرتے ہیں
محبت میں یہ سچ ہے جان تک پیاری نہیں ہوتی

یہ اچھا تھا کہ تم پر آنکھ پڑتے ہی اجل آئی
وہی پہلی نظر میری نگاہ واپسیں ہوتی

مزہ جب تھا کہ ہم تم دونوں ملکر ایک ہو جاتے
نہ تفریق من و تو اور نہ بحث آن و این ہوتی

کبھی تو دلہی سے آپ رکھ لیتے مرے دل کو
کبھی تو شادماں یہ خاطر اندوہگیں ہوتی

اگر آواز دیتے آپ میری عمرِ رفتہ کو — وہاں سے دوڑتی لبیک کہتی گو کہیں ہوتی
جو آنسو پوچھنے کو انکا دامن ہاتھ آجاتا — تو کیوں یہ چشمِ تر منت پذیرِ آستیں ہوتی
ازل میں جس جگہ تقدیر بٹتی تھی رقیبوں کی — ہماری کاش یہ کمبخت قسمت بھی وہیں ہوتی

قوافی میں مجھے پابندیِ ترکیب لازم تھی
شہیر آزاد کیونکر طبعِ مضموں آفریں ہوتی

بقیدِ یک قافیہ

جو طوفاں جوشِ چشمِ عاشقِ اندوہگیں ہوتی — پرے تھی دریائے دامن سے بھی موجِ آستیں ہوتی
اگر گلکاریاں کرتیں نہ چھینٹیں خونِ بسمل کی — تو اے قاتل نہ تیری یہ بہارِ آستیں ہوتی
پھٹے حالوں اگر رہتے نہ اپنی تنگدستی سے — تو کیوں ہر وقت فکرِ چاکِ جیب و آستیں ہوتی
شہید آخر جو ہونا ہی تھا اک دن دستِ قاتل سے — درازیِ حیات اپنی بقدرِ آستیں ہوتی
جگر پر ہاتھ پڑ جاتا اگر بھرپور قاتل کا — شگافِ زخم میں ترکیبِ چاکِ آستیں ہوتی
علاوہ جیب و دامن بخیۂ وحشت نہ بن جاتا — اگر دستِ جنوں سے دوستیِ آستیں ہوتی
اُڑاتا دھجیاں دستِ جنوں جب جیب و دامن کا — تو پھر کس طرح امیدِ بقائے آستیں ہوتی
جو میں دستِ سبو پر بیعتِ پیرِ مغاں کرتا — مری تردامنی خود دستِ بیعِ آستیں ہوتی

شہیر افسوس ہے پابندیِ عطف و اضافت سے
نہیں تو اور کچھ بندش میں شانِ آستیں ہوتی

۱۴۔ ستمبر سنہ ۱۹ء

رنگِ رخ جتنا اُڑایا عشق کی تاثیر نے — لے لیا کچھ آپ نے کچھ آپ کی تصویر نے
گریۂ بے صرفہ پر ہنس ہنس کہا تقدیر نے — آبروے سعی کھوئی دعوئ تدبیر نے
رازِ تنگی و معمائے دہن سب کھل گیا — بات کھوئی بے زبانی کی لب تقدیر نے
دور تھا گو لاکھ گھر و عدے پر آتے وہ ضرور — پھیر میں رستہ کے ڈالا گردشِ تقدیر نے
ماہی بے آب دل ہے۔ دل میں موج اضطراب — جانیں کیا سوکھی سنائی خنجر و شمشیر نے
جلوۂ صد رنگِ حسن و یک نگاہِ شوقِ عشق — محوِ صورت کر دیا نظارۂ تصویر نے
پاؤں کیا وحشت نکالے وسعتِ صحرا کہاں — تنگ کر رکھا ہے قیدِ خانۂ زنجیر نے
میری بیماری میں مجھ سے بڑھ کے نفرت تھی اسے — منہ دواؤں کو لگایا ہی نہیں تاثیر نے
مطلبِ دل اس بت خود کام سے کہنا نہ تھا — سب بگاڑا کام بے تدبیری تدبیر نے
ہتکڑی نے دست بوسی کا شرف حاصل کیا — پاؤں چومے وحشیوں کے حلقۂ زنجیر نے

وار پر تھا وار جبتک جان مجھ میں تھی شہیر
کر چکی بیدم تو آخر دم لیا شمشیر نے

۱۵۔ ستمبر سنہ ۱۹ء

کام کچھ نکلا نہ فکر و کوشش و تدبیر سے — سعی لاحاصل نے ہنسوایا مجھے تقدیر سے
لے تو آئے ہیں انھیں ہم راہ پر تدبیر سے — چلتے فقروں کی مگر چل جائے جب تقدیر سے
اسکے مارے نیند بھر سونے نہیں پاتے حسین — ہے گلہ مجھ کو بھی اپنے نالۂ شبگیر سے

اے معبر میں نے خواب وصل دیکھا ہے مگر
فکر ہے اندیشۂ برعکسی تعبیر سے

حسن اُدھر صبر آزما ہے عشق اودھر ہے ناشکیب
ناز کو جلدی سے نفرت شوق کو تاخیر سے

دیکھنے میں سب کو دیکھے پھر نہ کچھ آئے نظر
دیکھنا اے چشم حیرت سیکھ لے تصویر سے

دل کے ٹکڑے دیکھے انکی کمسنی کی ضد یہ ہے
ہم نہ مانینگے اسے جوڑو کسی تدبیر سے

چلبلے ہیں بستگان زلف لوہے کے چنے
پالتے ہیں پیٹ اپنا دانۂ زنجیر سے

جمع ہو جانا خیالات پریشاں کا ہے خواب
ہم شوریدہ سروں کو کچھ نہیں تعبیر سے

داغ دل داغ جگر ہی میری قسمت میں تھے بس
چن لئے دو پھول ہیں نے گلشن تقدیر سے

ہاں بدل جاتا ہے اس شکل مثالی سے خیال
جی بہل جاتا ہے کچھ نظارۂ تصویر سے

خط کی پیشانی، مری لوح جبیں سے کم نہیں
آپ کی تحریر ملتی ہے خط تقدیر سے

ہے اگر شرم سیہ کاری تو نادم ہوکے رو
منہ کی کالک دھو شہیر اس آخری تدبیر سے

۱۴۔ دسمبر ۱۹۱۰ء

جو ہنستے بولتے تو شرح آرزو کرتے
بتوں سے کس طرح اللہ گفتگو کرتے

ہلاک حسرت مرگ تو لے اجل ہوتے
جو اور جیتے تو مرنے کی آرزو کرتے

نماز پڑھنی تھی محراب تیغ قاتل میں
نہ اپنے خون سے کس طرح ہم وضو کرتے

جو دیکھ لیتے دل باوفا کے داغوں کو
تو گل چمن میں نہ دعوئ رنگ و بو کرتے

مخالفت میں بھی گردوں کی کام بن جاتا
کہ ہم خلاف تمنا کے آرزو کرتے

نہ سنتے ایک بھی یہ دوستی کی خوبی تھی   ہزار تم سے برائی مری۔ عدو کرتے
حضور جھوٹ کی تاویل تا کجا۔ آخر   کہاں تک آپ کی باتوں میں ہم رفو کرتے
نہ پونچھتے کبھی آنچل سے غیر کے آنسو
شہیر وہ جو مرا پاس آبرو کرتے

۲۵- جنوری سنہ ۳۰ء

دل سی عزیز چیز سے الفت نہیں رہی   تیرے سوا کسی سے محبت نہیں رہی
نالوں سے گھر میں۔ گھر کی وہ حالت نہیں رہی   دیواریں اب ہیں صرف کھڑی چھت نہیں رہی
اے باغباں ہائے یہ کیسی ہوا چلی   گلشن میں رنگ۔ پھولوں میں نکہت نہیں رہی
کوچہ میں انکے ٹھوکریں کھا کھا کے مٹ گئی   دنیا و دیں کہیں کی قیامت نہیں رہی
سفاکیوں سے آپ کی یہ کام بڑھ گیا   دم لینے تک کی موت کو فرصت نہیں رہی
صورت ہماری ہو گئی صورت سوال خود   کچھ اپنے منہ سے کہنے کی حاجت نہیں رہی
اپنے سے بدتر اوروں کی تقدیر دیکھکر   مجھ کو کوئی شکایت قسمت نہیں رہی
کب آئے نزع میں وہ عیادت کیواسطے   جب سانس لینے کی مجھے مہلت نہیں رہی
جس سے ہوا نہو ترے عاشق کا سامنا   دنیا میں ایسی کوئی مصیبت نہیں رہی
تا وقت واپسیں تھے سب ارمان لئے شہیر
جب دم نکل گیا کوئی حسرت نہیں رہی

نور کمال عشق سے ظلمت نہیں رہی   آلودۂ مجاز حقیقت نہیں رہی

مخصوص اُن کے آنے کی ساعت نہیں رہی
پابندِ روز و وقت قیامت نہیں رہی

تصویرِ یار شیشۂ دل میں ازل سے ہے
عکاسیِ خیال کی حاجت نہیں رہی

رویا کریں رقیب اب اپنے نصیب کو
مجھ کو تو کچھ شکایتِ قسمت نہیں رہی

میں کامیاب ہو کے بھی ناکام ہی رہا
حسرت یہ ہے کہ اب کوئی حسرت نہیں رہی

کہتے ہیں مجھ سے آکے قریبِ رگِ گلو
دوری کی تم کو اب تو شکایت نہیں رہی

جبتک تھی جان روز مصیبت میں جان تھی
مرنے کے بعد کوئی مصیبت نہیں رہی

آنکھیں فروغِ جلوۂ معنی سے کھل گئیں
اب وہ نظر فریبیِ صورت نہیں رہی

دل پھنس گیا فریبِ محبت میں کیا کریں
تمئیزِ دوستی و عداوت نہیں رہی

جوشِ جنوں میں کب مری دیوانگی شہیر
خضرِ طریقِ وادیِ وحشت نہیں رہی

۲۲۔فروری سنہ ۲۰ء

جنونِ عشق میں عقل و خرد میں نے جہاں رکھدی
وہیں پہ وائے ننگ و نام بھی اے جانِ جاں رکھدی

کلی کیا بے کھلی لاکر میان آشیاں رکھدی
مرا گھر پھونکنے کو تو نے آگ اے باغباں رکھدی

طلوعِ مہرِ عالمتاب کا سب کو ہوا دھوکا
کھلی تصویر تیری شب جو زیرِ آسماں رکھدی

سلگ کر رہ گئے جو اندر ہی اندر تا جگر پہونچی
یہ کیسی آگ تو نے دل میں اے سوزِ نہاں رکھدی

بجائے کوئے قاتل لائے کیوں گورِ غریباں میں
ہماری لاش لوگوں نے یہاں لاکر کہاں رکھدی

دلِ سوزاں کو اپنے چھوڑ آئے بزمِ جاناں میں
جگہ اس شمع کے لائق جہاں پائی وہاں رکھدی

پڑھائی مکتب الفت میں ایسی عشق نے پٹی — اٹھا کر طاق نسیاں پر گلستان بوستاں رکھدی
نظر آتا نہیں رستہ عدم کے جانے والوں کو — کمر سے کھول کر تلوار قاتل نے کہاں رکھدی
ادائے ناز سے لیکر مرا دل ہنسکے فرمایا — امانت پھر نہیں ملتی اُسے جس نے یہاں رکھدی
فغاں میں اسقدر گرمی لبوں پہ آتی سرد آہیں — غضب کی تو نے آگ لے نالۂ شعلہ فشاں رکھدی

نظر جس جا شہیر اُس بت کا نقش پائے ناز آیا
نیازِ شوق میں میں نے جبیں اپنی وہاں رکھدی

کثرت ہی سے وحدت کا جلوا نظر آتا ہے — وہ لاکھ حسینوں میں یکتا نظر آتا ہے
او حسن ترا جلوہ ہر جا نظر آتا ہے — پردہ میں بھی تو پردہ آرا نظر آتا ہے
جو پردۂ باطن میں ہے محوِ خود آرائی — عکس آئینۂ دل میں اس کا نظر آتا ہے
جب آپ کی کھچتی ہے تصویر تصور میں — صورت گر اصلی کا نقشا نظر آتا ہے
کیا شہر خموشاں میں ارزاں ہے گراں خوابی — ہر وقت جسے دیکھو سوتا نظر آتا ہے
خط کہتا ہے تو جس کو اے نامہ بر جاناں — یہ تو مری قسمت کا لکھا نظر آتا ہے
ہے صورت و معنی میں تمیز جسے حاصل — نیرنگ شہود اس کو دھوکا نظر آتا ہے
ہوتی ہے جراحت کی بھی نشو و نما دل میں — جو زخم تھا گہرا اب اُبھرا نظر آتا ہے
کیا ٹوٹ کے گرتی ہے للچائی ہوئی توبہ — جس وقت بھرا جام صہبا نظر آتا ہے
یہ جذب تصور ہے یا وہم کی خلاقی — ہر دم کوئی پہلو میں بیٹھا نظر آتا ہے
اک حسن کے منظر میں لاکھوں ہی مناظر ہیں — ناظر کو خدا جانے کیا کیا نظر آتا ہے

جو بحر حقیقت میں ہیں غوطہ زن عرفاں
قطرہ میں شہیر انکو دریا نظر آتا ہے

حسن قدرت کا مرقع وہ شبیہ ناز ہے
فطرت خاموش کی ہمراز و ہم آواز ہے

بزم میں تا شمع۔ پروانوں کی جو پرواز ہے
یہ بھی اے سوز محبت کوئی تیرا ساز ہے

سب سے پہلے جو پڑی تھی کان میں روز الست
آج سنتا ہوں تو اے بت وہ تری آواز ہے

دیر کی بھی سیر کر لے آکے اے شیخ حرم
یہ بھی تو آخر کسی بت کا حریم ناز ہے

حوصلے ہیں خاکساران محبت کے بلند
جانب خورشید تاباں ذروں کی پرواز ہے

میرے ہوتے غیر کے دل کا نشانہ اُڑ گیا
تیر افگن ہے مگر قاتل غلط انداز ہے

صبر سمجھاتا ہے چپ کی داد دیگا دادرس
وجہ یہ ہے جو مری فریاد بے آواز ہے

دل کو ہے صورت گر اصلی کی صورت سے لگاؤ
مجھکو ہے اس سے محبت جو محبت ساز ہے

ضعف میں کیا منہ سے نکلیں نالہ ہائے دل شہیر
پاسبان حلق تو بیٹھی ہوئی آواز ہے

گرمیٔ حسن بڑھائی یہ خود آرائی نے
تاب کیا دیکھ سکیں منہ جو ترا آئینے

سونے دم بھر نہ دیا حسرت یکجائی نے
نیند آنکھوں سے اُڑا دی شب تنہائی نے

کر دیا قد کو قیامت سے بھی دو ہاتھ بلند
لطف رعنائی دوبالا کیا انگڑائی نے

پاؤں پڑ سکتے نہیں سنگ در جاناں پر
پھرے بٹھلا دئے ہیں داغ جبیں سائی نے

جلوۂ حسن ازل سے ہے دو عالم معمور
شان کثرت میں دکھائی ہے یہ یکتائی نے

سوز الفت سے جگر کو بھی نہ رکھا محروم   پایا ہمدرد جو اپنا دل شیدائی نے

ہاتھ سے چھوٹ گیا دامن جاناں جو شہیر
اپنا منہ پیٹ لیا دست تمنائی نے

کوشش بے سود میں سب سعی بتا ثیر کی   سامنے تقدیر کے چلتی نہیں تدبیر کی
تم نے کیا پھیری نظر مجھ سے زمانہ پھر گیا   آنکھوں کی گردش میں گردش تھی ہی تقدیر کی
ہم دکھاتے قید وحشت میں اگر زور جنوں   ایک ہی جھٹکے میں کڑیاں ٹوٹتیں زنجیر کی
کھینچ ہی لائی کمند جذب الفت آپ کو   سلسلہ جنبانی دیکھی آہ پُر تاثیر کی
مار کر تیر نگاہ ناز غافل سو گیا   صید افگن نے خبر بھی کچھ نہ لی نخچیر کی
سینہ و پہلو سے بھی قلب و جگر کو لے اڑا   آج دیکھی قوت پرواز انکے تیر کی

بولنے میں منہ سے گویا پھول جھڑتے ہیں شہیر
واہ وا کیا بات ہے انکے لب تقریر کی

۱۶ - جولائی سنہ ۱۹۰۹ء

رات یوں وعدے کی ٹالی جائیگی   پاؤں میں مہندی لگالی جائیگی
نیلے ڈورے ہی ابھی ڈالے رہو   کان میں مشکل سے بالی جائیگی
ہو گیا موقوف رنگ عاشقی   اب نہ چہرے کی بحالی جائیگی
دیکھو تم آئینہ خانہ میں نہ جاؤ   ورنہ شان بے مثالی جائیگی
ہر گھڑی جو ہوتی جاتی ہو نڈھال   وہ طبیعت کیا سنبھالی جائیگی

کب چھپائے سے چھپیگا داغ عشق　　چاند پر کیا خاک ڈالی جائیگی
آتے آتے نوجوانی آئے گی　　جاتے جاتے خوردسالی جائیگی

اب کے کیا توبہ نہ ٹوٹے گی شہیر
یہ بھری برسات خالی جائیگی

اک مری جان حزیں ہے نام کو جو تن میں ہے　　اک تن فرسودہ جو بوسیدہ پیراہن میں ہے
کیوں نکیرین آ رہے ہیں مجھکو مرقد میں نظر　　ان فرشتوں کی بھی تہمت کیا مرے مدفن میں ہے
لاغری سے میں ہیولیٰ پیکر فرضی کا ہوں　　صرف اک جسم خیالی میرے پیراہن میں ہے
اس کے جلوے کے ہیں طالب پاکبازان نگاہ　　اے کلیم آئینہ حسن کا وادی ایمن میں ہے
حسن یوسف سے نہیں کچھ کم کنہیا کا بھی روپ　　اسکا جلوہ مصر میں ہے اسکا بندرابن میں ہے
موت نے اللہ ڈالا ہے یہ کیسا تفرقہ　　روح جنت میں تن بیجان مرا مدفن میں ہے

جوش سبزہ سے مری تربت ہے مینائی شہیر
صاف وضع و ہیئت خم گنبد مدفن میں ہے

متفرقات

رشک صد ماتم کدہ ہر ایک میخانہ ہوا　　آج کس میخوار کا لبریز پیمانہ ہوا
سنتے سنتے داستان غم انھیں نیند آگئی　　میری بیتابی کا قصہ ان کو افسانہ ہوا
وحشت الفت جوانی میں زیادہ بڑھ گئی　　ہوش کیا میں نے سنبھالا اور دیوانہ ہوا

کام جادو سے بہت سحر نظر لیتے ہیں — آنکھوں آنکھوں ہی میں گھر دل میں کر لیتے ہیں
ہو گی اب اچھی طرح خانہ خرابی میری — کوچۂ غیر میں سنتا ہوں وہ گھر لیتے ہیں
نقدِ جاں دینے کو تیار ہیں ہم قیمت میں — کوئی بیچے تو محبت کی نظر لیتے ہیں

ہچکیاں نزع میں لیتے ہیں جو مرنے والے — وہ سمجھتے ہیں ہمارا یہ گلا کرتے ہیں
دیر بیداد میں ہوتی ہے تو آزار طلب — الٹے خود جور نہ کرنے کا گلا کرتے ہیں
رہتا ہے پیشِ نظر عالمِ تصویرِ خیال — ہم تصور میں انھیں دیکھ لیا کرتے ہیں
لیتے ہیں دستِ عقیدت سے تو لیے جو قدم — اپنے ہاتھوں کو بھی ہم چوم لیا کرتے ہیں

ٹھنڈک ابھی پڑ جائے کلیجہ میں ہمارے — سرد آہ جو آئے دلِ دشمن سے نکل کر
دل میرا نہ ہوتا تو کسی شوخ کا جلوہ — پاتا نہ جگہ وادیِ ایمن سے نکل کر

بزمِ جاناں میں یوں ہی ہے آمد و رفت — ہنستے جاتے ہیں روتے آتے ہیں
دمِ بسمل دیکھتے ہیں جانبِ دل — تیر پر تیر وہ لگاتے ہیں
ہم تو کہتے ہیں حالِ دل رو رو — آپ سُن سُن کے مسکراتے ہیں

عاشقِ گیسو ہوں میرا دم نکلنے دیجئے — اک بلا ٹلتی ہے سر سے اسکو ٹلنے دیجئے

دیکھئے بحرِ جہاں میں عالم طوفانِ نوح — دیدۂ پُر آب سے آنسو نکلتے دیکھئے
آپ کے رنگِ تغافل میں نہ دم بھر فرق آئے — ہر گھڑی غم سے مری صورت بدلتے دیکھئے

ہمیشہ حسن جوانی کی آب و تاب رہے — خدا کرے ترا لاکھوں برس شباب رہے
لحد میں بھی جگر و دل کے داغ کام آئے — تہِ زمیں بھی یہ مہتاب و آفتاب رہے
شہیر ہوش میں اب آؤ وقت پیری ہے — ارے بہت دنوں مستِ مئے شباب رہے

دعویٰ حسن میں کیا تم نے اُٹھا رکھا ہے — انتہا ہے کہ خدا خود کو بنا رکھا ہے
جزو دیں لے بت کافر ہے محبت تیری — دل میں ایمان کے مانند چھپا رکھا ہے
ڈھونڈ دو صاف مگر اتنا بتا دو مجھکو — کھو دیا تم نے کہیں یا مرا دل رکھا ہے

واللہ نہیں اور غرض کوئی دوا سے — اے بت تجھے ہم مانگتے ہیں اپنے خدا سے
بڑھتا ہے مرض عشق کا تدبیر شفا سے — چڑھتا ہے بخار اور مجھے نام شفا سے

گیسوئے پیچاں ہوا سے اُڑ کے برہم ہو گئے — میرے اسباب پریشانی فراہم ہو گئے
روز شب روتے ہی گزرا ہم کو یہ پورا برس — سال کے بارہ مہینے سب محرم ہو گئے
آنسوؤں سے سوزشِ داغ جگر جاتی رہی — اشک حسرت داخلِ اجزائے مرہم ہو گئے

ہمارے خون ناحق کا بھی وہ خون بہا دینگے
دکھانیکو لحد پر آکے چار آنسو بہا دینگے

کسی پر کسطرح مرتے ہیں کیونکر جان دیتے ہیں
رہے زندہ تو اسکو بھی تمھیں مر کر دکھا دینگے

بتا دینگے نہ اپنے منہ سے ہم کچھ وجہ حیرانی
مگر چپکے سے آئینہ انھیں لا کر دکھا دینگے

خدا جیسا انھیں رکھے بلا سے مار ڈالینگے
سلامت وہ رہیں۔ مجھکو مٹا دینگے مٹا دینگے

کرینگے بند منہ محشر میں کن کن دادخواہوں کے
گلا میری طرح کس کس کا آخر وہ دبا دینگے

حصۂ نور نظر حسن کی تنویر میں ہے
جلوۂ جوہر بینش تری تصویر میں ہے

الفت زلف حسیناں دل دلگیر میں ہے
دل دلگیر مرا زلف گرہ گیر میں ہے

نقش ثانی ہے اسی وجہ سے لاثانی ہے
تجھ میں وہ بات نہیں جو تری تصویر میں ہے

کسطرح دل سے گزر جاتی ہے قاتل کی نظر
نہ تو سوفار نہ پیکان ہی اس تیر میں ہے

دوست دشمن کی بھی پہچان نہیں جب دم قتل
آنکھ پھر خاک ترے جوہر شمشیر میں ہے

دل سے دشمن کو نہ اپنے دوست رکھوں کسطرح
جسکو تم چاہو مجھے اُس سے محبت کیوں نہو

دامن قاتل۔ زبان تیغ ہیں دونوں گواہ
خون ناحق میں مرے انکی شہادت کیوں نہو

روز بن بن کر بگڑنے ہی میں ہے کچھ آن اگر
تو تمھاری زلف پیچاں میری قسمت کیوں نہو

یہ کس ظالم کا نقش پا مری خاک لحد پر ہے
کہ ہر اک ذرہ میں تابندگی مہر محشر ہے

دل مایوس جو ظاہر میں ہے مجموعۂ حسرت   اسی کے ذرّوں میں راز پریشانی بھی مضمر ہے
میں جوش بیخودی سے اپنے آپے میں نہیں رہتا   تمھارا میرے پاس آنا نہ آنے کے برابر ہے

چھڑاؤں کسطرح داغِ وفا کو قلب مضطر سے   جدا ہونا عرض کا جب کہ ناممکن ہے جوہر سے
ہنر سے قدر ارباب ہنر ہوتی ہے دنیا میں   اصالت تیغ کی ہوتی ہے ظاہر اسکے جوہر سے
برا ہو ناتوانی کا وہ آئے ہیں عیادت کو   پئے تعظیم لیکن اُٹھ نہیں سکتا میں بستر سے
محبت آپکی یہ کہہ کے دل میں جم کے بیٹھی ہے   نکالے لاکھ کوئی میں نہ نکلونگی اس گھر سے
طلسم رنگ و بوئے گل ہو یا جوش جوانی ہو   زیادہ کیا بہار ان دنوں کی رہتی ہے شب بھر سے

آج آبِ دمِ شمشیر کی طغیانی ہے   کوئے قاتل میں شہیدوں کا لہو پانی ہے
تم نہ سن سکتے ہو اتنا نہ میں کہہ سکتا ہوں   ماجرائے شبِ غم قصۂ طولانی ہے

شب بلا داغ آتشیں سے بھی تیرگی میں کمی نہیں ہے   یہ کیسا اندھیر میرے گھر ہے کہ چاند ہے چاندنی نہیں ہے
یہ کسکو رکھا ہے بیچ میں تمنے پھولوں کا ہار گوندھنے میں   یہ مجھ شہید وفا کا دل ہے کسی چمن کی کلی نہیں ہے

ادھر اُدھر جلتے تھے پتنگے غریب آ آ کے جل مرے سب   مگر شبِ غم ابھی ہے باقی کہ شمع پوری جلی نہیں ہے

غزل در وفاتِ فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی خلد آشیانہ

لب پر کیوں نالۂ و فغاں ہے — کیوں اشکِ غم آنکھوں سے رواں ہے
دامن سے رنگِ غم عیاں ہے — خوناب دل آنکھوں سے رواں ہے
جنت میں داغ خاک پہ ہم — اب فرق زمین و آسماں ہے
ہے نیستی ہستی جہاں سب — در اصل نہیں ہے جو یہاں ہے
ہے باغِ جناں میں بلبل ہند — ہاں اب فردوس آشیاں ہے
اے ملکِ عدم کے جانے والے — اللہ ترا نگاہباں ہے
برسوں سے چھپا تھا دل میں جو درد — بن کر وہی داغ اب عیاں ہے
ویرانہ نشاں مکان ہو کا — وہ جا ہے جہاں وہ جانِ جاں ہے
کہتے تھے فصیح ملک جس کو — وہ بلبل ہند اب کہاں ہے
ہے زخم چور کا میرے دل میں — اس کا اب کون پاسباں ہے
پیہم جاری ہیں آنکھوں سے اشک — دن رات یہ قافلہ رواں ہے
اے بلبل ہند تیرے غم میں — اب طائر روح نیمجاں ہے

کب موت سے ہے شہیر غافل
مرحوم اُسے یادِ رفتگاں ہے

رباعیات

ل روز سبھی بھلے برے جائینگے اعمال ہی صرف ساتھ لے جائینگے
طفال و جوان و پیر و بیمار و صحیح آئی جب آئے گی چلے جائینگے

دیگر

رنے کے نہ دل سے حوصلے جائینگے ہم قبر میں ان کو ساتھ لے جائینگے
زنجیر پا جو ہوگا ضعفِ پیری تو چار کے کاندھے ہی چلے جائینگے

دیگر

ناحق مرتے ہیں عمر فانی کے لئے دیتے ہیں جان زندگانی کے لئے
نادان ہیں وہ شہیر بچوں کیطرح پیری میں جو روتے ہیں جوانی کیلئے

دیگر

ہے عہدِ شباب کامرانی کے لئے یہ عمر ہے لطف زندگانی کے لئے
پیری کو کہاں نصیب دنیا کے مزے یہ سب سامان ہیں جوانی کے لئے

دیگر

بوڑھا ناکمزور ناہیچ کارہ ہوں میں جز خاکِ گور کس کو پیارا ہوں میں
ہے وقت مدد کا اے عصائے پیری آتھام لے ہاتھ بے سہارا ہوں میں

اس غم کدے سے شاد بدل جاؤنگا   تربت میں برنگ کھل جاؤنگا
ہر شے کے لیے رجوع ہے جانب اصل   ہوں خاک ہی خاک ہی میں مل جاؤنگا

دکھ درد کا لے ضعیفی مارا ہوں میں   عیب ظاہر سا آشکارا ہوں میں
ہے صبح شب شباب جلوہ میرا   پیری میں چمکتا ہوا تارا ہوں میں

پیری میں شباب والی طلعت نہ رہی   کافور صباحت ہوئی رنگت نہ رہی
پڑتی حسینوں کی بھی جس پر آنکھیں   افسوس شہیر اب وہ صورت نہ رہی

صیاد اجل کی ہے یہ دنیا کمین گاہ   کرتا ہے شکار روز و شب شام و پگاہ
پیری ہے گھات میں جوانی کے شہیر   یہ باز سفید ہے بس زاغ سیاہ

ہے طول امل کا سلسلہ پیچا پیچ   آرام کی نیند چل کے سو گھوڑا بیچ
فکر عقبیٰ شہیر کر چھوڑ ہوس   دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ

لینے لگا دون کی جو طفلی سے شباب   باقی رہی ضبط کی ضعیفی کو نہ تاب
لسانی جوانی کی نہ کچھ پیش گئی   وہ وہ دنداں شکن تھے پیری کے جواب

بھولوں لے شیخ کیا جوانی کا مزہ   ہے یاد شراب ارغوانی کا مزہ
جب سے یادش بخیر وہ شے چھوٹی   کھانے کا مزہ رہا نہ پانی کا مزہ

گل زیر زمیں سے سر بکف آتے ہیں   گلشن میں غریب آکے لٹ جلتے ہیں
آتی نہیں راس باغِ عالم کی ہوا   غنچے سے پھول ہو کے مرجھاتے ہیں

عامل لکھا کریں شفا کا تعویذ   بیمار کو کیا کرے گا اچھا تعویذ
روکے رکتی نہیں جب آتی ہے اجل   بیکار ہے جھاڑ پھونک گنڈا تعویذ

ایام شباب کی عجب باتیں تھیں   راحت کے دن تھے عیش کی راتیں تھیں
پردے پردے میں ہوتی تھی پردہ دری   چھپ چھپ کے حسینوں سے ملاقاتیں تھیں

ہے فاتحہ خوانی سے غرض نام فقط   پھیلا ہے قل اعوذیوں کا دام فقط
مردہ دوزخ میں جائے یا جنت میں   حلوے مانڈے سے انکو ہے کام فقط

کچھ نیک عمل نہ بہر انجام کیا   دنیا کے مزے اڑائے آرام کیا
کھایا پیا سوئے جاگے اٹھے بیٹھے   کام اتنے کئے مگر نہ کچھ کام کیا

چشم باطن میں جو ہے وہ نور ہے تو   آنکھوں میں ہے نظر سے مستور ہے تو
گردن کی رگ سے بھی زیادہ ہے قریب   اتنی قربت پر اور پھر دور ہے تو

اوروں کی طرح جو شکل دنیا دیکھی   دوشیزہ و نوجوان و رعنا دیکھی
سوجھا نہ کہ زال ہے یہ مکارۂ دہر   اندھے ہوئے ہم بھی سب کی دیکھا دیکھی

خاموشی میں کوئی میرا دمساز نہیں   وہ ساز ہوں میں کہ جس میں آواز نہیں
آواز بھی ہے تو کب ہے انداز کلام   گویا ہوں مگر سخن کا انداز نہیں

مستی و سرور و شادمانی کب تک   بے فکری و عیش و کامرانی کب تک
جاہ و اقبال و مال و اعزاز و خطاب   حاصل بھی ہوئے تو زندگانی کب تک

مجموعۂ دہر ہے بکھرنے کے لئے   سب آئے ہیں جہان سے گذرنے کے لئے
ہستی ہی دلیل نیستی کی ہے شہیر   جینا ہے چند روز مرنے کے لئے

فاسق ہو کوئی پارسا ہو کوئی   کافر ہو کوئی ۔ باخدا ہو کوئی
ہم بندۂ عشق ہیں ہمیں کیا مطلب   اچھا ہو کوئی یا برا ہو کوئی

ہر ایک کے دل میں اچھی صورت کی ہے چاہ
خالق کے یہاں بھی خوش جمالوں کی ہے راہ
بت کرتے ہیں دعوائے خدائی اس سے
کیا چیز یہ حسن بھی ہے اللہ اللہ

ہر شے میں جلوہ گر ہے قدرت تیری
ہر چیز سے ہے نمود صنعت تیری
ہے کاہ سے کوہ تک ظہور حکمت
کثرت سے عیاں ہے صاف وحدت تیری

کھویا۔ ربڑی۔ دہی۔ ملائی۔ بیچو
حلوہ۔ پوری گزک مٹھائی بیچو
ملتی نہیں نوکری تو اے اہل قلم
پیسے ڈبیہ دیا سلائی بیچو

جو ہم سے دبے تھے وہ دباتے ہیں ہمیں
جو ہم سے بنے تھے وہ بناتے ہیں ہمیں
جو دست نگر رہے ہمارے برسوں
اُلٹے آنکھیں وہ اب دکھاتے ہیں ہمیں

مدت پہ آئی ہے ملاقات کی رات
جاؤ گے کہاں ٹھہر رہو رات کی رات
دو عیش کی داد ہو رہی ہے بارش
رکھتی ہے عجب بہار برسات کی رات

نافہموں کو شعر کا سنانا ہے عبث
اندھوں کو چراغ کا دکھانا ہے عبث
آگاہ نہیں رموز فن سے جو شہیر
اُن کو ان نکتوں کا بتانا ہے عبث

وہ حسن کہاں۔ کہاں وہ صورت میری — سونلا گئی ہے گلابی رنگت میری
لیکن دل کی اُمنگ ابتک ہے وہی — پیری میں جوان ہے طبیعت میری

بڑھتی جاتی ہے اب نخافت میری — گھٹتی جاتی ہے روز قوت میری
ہے لاکھ مرض یہ ایک ضعف پیری — اچھی رہے کیا شہیر صحت میری

مخمس بر غزل لسان القوم مولوی سید علی نقی صاحب صفی

ہم توسنِ ہمت کو جب ایڑ لگا دینگے — رستہ میں پہاڑوں کو ٹھوکر سے اُڑا دینگے
دم میں جو ہے دم ہلچل عالم میں مچا دینگے — زندہ ہیں اگر زندہ دنیا کو دکھا دینگے
مشرق کا سرا اٹھکر مغرب سے ملا دینگے

لاعلم نہیں اس سے آگاہ زمانہ ہے — زیرِ نظرِ برقِ خرمن ہے جو دانہ ہے
مضمون حقیقت میں یہ فلسفیانہ ہے — دھارے میں سمندر کے بجلی کا خزانہ ہے
بہتے ہوئے پانی میں ہم آگ لگا دینگے

گو سوزِ غم قومی سے آنکھیں ہیں فوارہ — پھر بھی تہِ خاکستر ہیں اخگر صد پارہ
ہر چند ہیں افسردہ لیکن نہیں ناکارہ — ہم سینۂ ہستی میں انگارہ ہیں انگارہ

شعلے بھڑک اُٹھینگے جھونکے جو ہوا دینگے

وہ اہل کلیسا ہوں یا دیر کے ہوں ساکن　　فکروں میں مٹانے کی اسلام کے ہیں دن
پر اسکو سمجھ رکھیں بالکل ہے یہ ناممکن　　ہم کون ہیں ہم کیا ہیں ہم کچھ بھی نہیں لیکن
وقت آنے دو وقت آنے دو پھر تمکو بتا دینگے

گہ باختر مغرب گہ مشرق خاور میں　　تھے بحر میں قطرہ زن پھیلے ہوئے تھے بر میں
اُٹھے تھے پہاڑوں سے پہونچے تھے سمندر میں　　فاران پہ گرجے تھے برسے تھے جہاں بھر میں
گھر کر جو کہیں کڑکے پھر ہوش اُڑا دینگے

گو قلزم ہستی میں ساحل بھی ہے یاس بھی　　ہے نفع کی امیدوں میں خطرۂ بیحد بھی
انداز و رآمد میں ہے طرز برآمد بھی　　دنیا کے سمندر میں ہم جزر بھی ہیں مد بھی
دیکھو جو ہمیں تو کا طوفان اُٹھا دینگے

کیا دیدۂ تر بارش میں ابر سے کمتر ہے　　جو اشک کا قطرہ ہے وہ دانۂ گوہر ہے
ہر وقت نظر اپنی افضال خدا پر ہے　　مرجھائی ہوئی کھیتی اب ہم ہیں تو کیا ڈر ہے
چھینٹے ہمیں رحمت کے پھر نشو و نما دینگے

اس گلشن ہستی سے اوکھڑینگے نہ ٹوٹینگے　　یہ ہم سے نہ چھوٹیگا ہم اس سے نہ چھوٹینگے
اب نامیہ کی دولت آزادی سے لوٹینگے　　جڑ ہم نے پکڑ لی ہے کلے نئے پھوٹینگے
گر خاک میں بھی ہم کو اکبار ملا دینگے

بے چارے مسلمانوں کا زور گھٹا دیکھیں　　اک اک کا تہِ تیغِ بیداد گلا دیکھیں

قاچاری و عثمانی شاہوں کو گدا دیکھیں ایران ہو یا ٹرکی دونوں کو مٹا دیکھیں
کیا صفحۂ ہستی سے اسلام مٹا دینگے

سبزے کو لہک دی ہے پھولونکو مہک دی ہے نخلوں کو سرافرازی سنبل کو لٹک دی ہے
ذروں کو بھی قسمت سے صانع نے چمک دی ہے اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھریگا جتنا کہ دبا دینگے

دب جائینگی سب دینی تحقیر کی آوازیں اُٹھینگی نہ یہ کفر و تکفیر کی آوازیں
آنے لگیں گی تیر و شمشیر کی آوازیں گونجے گی پہاڑوں میں تکبیر کی آوازیں
یہ صور جہاں پھونکا مردوں کو جلا دینگے

ممکن نہیں دنیا میں کوئی ہو تشہیر ایسا گرمیٔ سخن پاکر گرمائے نہ جو اصلا
اس قول کے قائل کا بالکل ہے بجا دعویٰ اے جذبۂ اسلامی جس دل میں نہ تو ہوگا
یہ نظم صفی پڑھ کر ہم اس کو سنا دینگے

یکم مارچ ۱۹۱۳ء

تخمیس غزل ترانۂ اقبال ۱۸ ۔ اگست سنہ ۱۹۱۳ء

ماہی سے ماہ تک ہے سکہ رواں ہمارا　　ڈنکا زمین سے ہے تا آسماں ہمارا
آفاق میں لقب ہے گیتی ستاں ہمارا　　چین و عرب ہمارا ۔ ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

غربت کہاں کی ہر جا ہے خانماں ہمارا　　ہر ملک و شہر قریہ میں گھر ہے یاں ہمارا
روم و عراق و شام و مازندراں ہمارا　　چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

آثار گو خرابی کے ہو چلے ہیں پیدا　　ایران مٹ رہا ہے ترکی کا ہے صفایا
لیکن ہے اس عقیدے سے دل قوی ہمارا　　دُنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اسکے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

ماوا و اصل منشا محبوب کبریا کا　　اسلامیوں کا قبلہ مولد وہ مرتضیٰ کا
بنائے اوّل ابن آزر ہے جس بنا کا　　دنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اسکے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

جانباز جیسے ہم ہیں ایسے کہاں ہوئے ہیں　　بچپن سے مردمی کے جوہر عیاں ہوئے ہیں
نیزوں کے نیستاں میں شیر نیاں ہوئے ہیں　　تیغوں کے سایہ میں ہم پلکر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

اے چرخ پیر لڑکے اکثر جواں ہوئے ہیں   لیکن ہمارے ایسے کمتر جواں ہوئے ہیں
کھا کھا کے زخم اپنے منہ پر جواں ہوئے ہیں   تیغوں کے سایہ میں ہم پلکر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

اسلام پر عقیدہ راسخ ہے اور محکم   فضلِ خدا سے مسلم ہم ہیں یہ ہے مسلم
ہیں حق پرست حامی حق ہے ہمارا ہمدم   باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

پہلے کی طرح گو اب ہر جا نہیں ہیں ہم   رکھتے ہیں ملک و لشکر پھر بھی کہیں کہیں ہم
حق کے کرم سے اب بھی ہیں مالکِ زمیں ہم   باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

باقی نہیں ہے کوئی اب ہم صفیر ویں گو   تیرا گزر جو سوئے اسپین اے صبا ہو
کہنا کسی نے اتنا پوچھا ہے تجھ سے رو رو   اے گلستان اندلس وہ دن ہیں یاد تجھکو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

نصرانیوں سے چھینا کر کے جہاد تجھ کو   صحرا سے پھر بنایا ہینو سواد تجھ کو
ہر ایک جانتا تھا باغِ مراد تجھ کو   اے گلستان اندلس وہ دن ہیں یاد تجھ کو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

ہمت بڑھی تھی ایسی تھا ہر محال ممکن   ہندوستان کے تھے فاتح عرب کے ساکن
چھ سات سو برس کا یہ واقعہ ہے لیکن   اے آب رود گنگا ہیں یاد تجھکو وہ دن

اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

تھی سیرِ کوہ صحرا ہیں یاد تجھکو وہ دن یسے تھے جادہ پیما ہیں یاد تجھکو وہ دن
اے آب رود گنگا ہیں یاد تجھکو وہ دن ڑھ آئے چڑھتے دریا ہیں یاد تجھکو وہ دن

اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

موجود نقد جاں ہے دولت نہیں تو کیا غم ہیں دور پھر بھی تیرا پاس ادب ہے ہر دم
اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم اقف برب کعبہ اس سے ہے سارا عالم

ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

مذہب کے پاس۔ قومی عزت پہ کٹ مرے ہم قت جہاد دینی عزت پہ کٹ مرے ہم
اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم ون کب حصولِ ملک و دولت پہ کٹ مرے ہم

ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

بیٹھی تھی دھاک ربع مسکوں میں جاں ہماری طوت تھی شش جہت میں ہر سو عیاں ہماری
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری شرق ہی تک نہ کچھ تھیں جانبازیاں ہماری

رکتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

اعلان کلمۃ الحق میں تھے کبھی نہ عاری تھا چار دانگ عالم میں رعب اپنا طاری
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری بیر کی صدائیں سن کانپ اٹھے ناری

رکتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

خوشنودیِ خدا ہے سامان ساز اپنا اللہ سے فقط ہے راز و نیاز اپنا

ہے فضل حق سے آقا بندہ نواز اپنا   سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

غمخوار قافلہ ہے میر حجاز اپنا   مختار قافلہ ہے میر حجاز اپنا
سردار قافلہ ہے میر حجاز اپنا   سالار قافلہ ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

گو آپ مر رہے ہیں ہم اپنے غم کے مارے   جیتے مگر ابھی ہیں ہمت نہیں ہیں ہارے
اس کو سمجھ لیں اہل تثلیث و شرک سارے   توحید کی امانت سینے میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

پاک اعتقاد وحدت سینوں میں ہے ہمارے   اسلام کی عقیدت سینوں میں ہے ہمارے
ایمان و دیں کی دولت سینوں میں ہے ہمارے   توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

قول شہیر کیا ہے غیبی صدا ہے گویا   حق بر زبان جاری ہے جو کہا ہے گویا
یہ جوش و جذبۂ دیں خود رہنما ہے گویا   اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

جو راہ گیر غفلت کی نیند پڑ کے سویا   وقت عزیز و زاد راہ اپنا اس نے کھویا
اٹھو شہیر راہ مقصود میں ہو پویا   اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

تخمیس غزل غالب علیہ الرحمۃ

ان خدا نمود ز شان محمد است — دندان گہر بہ درج دہان محمد است
آن حسن نطق لسان محمد است — حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است
آرے کلام حق بہ زبان محمد است

یا ہے کون ساری خدائی کا بندوبست — اس راز کی خبر ہے اُسے جو ہے حق پرست
کارساز خلق ہے خالق کا پیش دست — تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق ست
اما کشاد آن ز کمان محمد است

ز و نیاز عاشق و معشوق سرو قد — پنہاں نہیں ہے جانتے ہیں صاحب خرد
ن ہی میں ڈھونڈو تو مل جائیگی سند — ہر کس قسم بہ آنچہ عزیز است می خورد
سوگند کردگار بہ جان محمد است

د میں اور احمد بے میم میں دوئی — وہ جانتے ہیں عقل میں جنکی ہے کچھ کمی
ین انھیں سے اصل میں ہے کائنات کی — دانی اگر بہ معنی لولاک وارسی
خود ارچہ از حق است ازان محمد است

م خدا ہے اسکی تو کچھ اور ہی بہار — گلبن کے ہوتے تذکرۂ شاخ خاردار
ا ظل حق کے سامنے کیا اسکا اعتبار — واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فرو گذار
کہ اینجا سخن ز سرو روان محمد است

قصۂ کلیم و طور کا دیرینہ ہو چکا ذکر خلیل و نار ہے مدت کا ماجرا
دی ہو خدا نے چشم حقیقت نگر تو آ بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را
کاں نیمہ جنبشے ز بنان محمد است

خاتم سے پائی لاکھ سلیمان نے مدد لیکن نہیں ہے وصف اضافی پسند
جوہر جو ذات میں ہو وہ بیشک ہے مستند در خود ز نقش مہر نبوت سخن رود
آں نیز نامور ز نشان محمد است

نعت نبی سے عہدہ برآ کیا بھلا ہوں ہم چھوٹا منہ اور بات بڑی حق کی ہے قسم
شاعر شہیر کہہ گیا کیا خوب مرتے دم غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

خمسہ بر غزل حسان الہند رضوان مراد آبادی

کبھی چشم ظاہر نے دیکھا نہیں ہے مگر دیدۂ دل سے پردا نہیں ہے
تو پنہاں نہیں یا ہویدا نہیں ہے کہیں بھی نہیں اور کس جا نہیں ہے
ترا جلوہ ہے کچھ تماشا نہیں ہے

کبھی یہ کنشت و کلیسا نہیں ہے بتوں کا یہاں دخل اصلا نہیں ہے
شرف میں کم از عرش اعلیٰ نہیں ہے یہ مکہ نہیں یا مدینہ نہیں ہے

تمھیں دل میں ہو جب تو پھر کیا نہیں ہے

ہیں خوف دوزخ کا اصلا نہیں ہے شفیع الوری مصطفیٰ کیا نہیں ہے
وت کی تنقیص زیبا نہیں ہے شفاعت سے انکار اچھا نہیں ہے
قیامت میں ورنہ ٹھکانا نہیں ہے

ہ شکل دل آویز صورت وہ بھولی شکر بیٹھی باتوں میں گویا ہے گھولی
ہ راز قدرت کی اسطرح کھولی جو کثرت نے پوچھا تو وحدت یہ بولی
محمد کا عالم میں ہمتا نہیں ہے

ر یہ نہ ہو تو احمد کا ہو دھوکا احد سے جدا بھی سمجھنا ہے سودا
ہ شکل دہن گو مگو کا ہے نقشا معمہ نہیں میم احمد کا کھلتا
خدا جانے یہ کیا ہے اور کیا نہیں ہے

ں آب ہے اور گوہر یہی ہے عرض ہے یہی اور جوہر یہی ہے
روث و قدم دونوں کا گھر یہی ہے محال اور ممکن کا مظہر یہی ہے
یہاں میم احمد میں کیا کیا نہیں ہے

ہیں قمر عارض مہر انور اسی اسم کی وجہ سے ہیں منور
انور ہیں کلک قدرت سے یکسر ملک کے پروں پر فلک کے دروں پر
کہاں نام احمد کا لکھا نہیں ہے

ہیں اور فریاد رس کوئی حاشا تھپیڑے ہوں موج حوادث کے کھاتا

مجھے تھام بحر مصیبت میں شاہا   ذرا اب نہیں ڈوب جانے میں وقفا
کہ تنکے کا بھی اب سہارا نہیں ہے

شفاعت کی بیل اس میں ہر سو ٹنکی ہے   یہ رحمت کے رشتہ سے گویا سلی ہے
شفیع جہاں کی عبا کہہ رہی ہے   عطا پاش ہو کر خطا پوش بھی ہے
وہ دامن ہی کیا جس میں پردا نہیں ہے

محبت کی گرمی ہے تجھ سے بھی بڑھ کر   ارے کم نہیں سوز عشق پیمبر
نہ گرما نہ گرما بس اے مہر محشر   ذرا بھی نہیں آنچ آنے کی مجھ پر
مرا داغ دل تو نے دیکھا نہیں ہے

نہ لے ہمدمو مجھ کو گریہ سے روکو   تماشا تو کچھ سوز الفت کا دیکھو
غم شہ میں رونے بھی دو چشم تر کو   ٹھہر جاؤ اشک وفا کو نہ پونچھو
یہ بادل ابھی کھل کے برسا نہیں ہے

یہ حوروں کی خاطر نہ راتوں کو روتا   بڑے لطف و آرام کے ساتھ سوتا
ثنا خوان فردوس زاہد نہ ہوتا   ہو لئے جناں میں نہ جان اپنی کھوتا
مدینہ ابھی اس نے دیکھا نہیں ہے

فدا پنجتن پہ ہیں میرے دل و جاں   ولائے نبی جب کہ ہو دین و ایماں
مددگار رضواں کے ہیں شاہ مرداں   یہ کہنا شہیر آپ کا ٹھیک ہے ہاں
زمانہ عدو ہو تو پروا نہیں ہے

خمسہ بر غزل حسان الہند رضوان مرادآبادی

ن آپ پر جو ہے جہاں وہ ہے وہیں صدقے   نثار ارض و سما تحت الثریٰ عرش بریں صدقے
سِ روح الانس و جاں فدا روح الامیں صدقے   مرا دل ہی نہیں قربان ہمی جاں ہی نہیں صدقے
دو عالم آپ پر یا رحمۃ اللعالمیں صدقے

وت پر دہن کی شیرہ جان انگبیں صدقے   عذوبت پر زبان پاک کی ماء معیں صدقے
روح پرور پر خضر با صد یقیں صدقے   لب جاں بخش کی باتوں پر اک ہم ہی نہیں صدقے
کلیم اللہ صدقے عیسیٰ گردوں نشیں صدقے

ز عشق و الفت کا کیا حاصل ہنر میں نے   مہم کی استلام عتبۂ عالی کی سر میں نے
لی اللہ پایا کیا شرف بیدرد سر میں نے   کئے سجدے جو سنگ آستان شاہ پر میں نے
خطِ تقدیر پہ ہو ہو گئی لوحِ جبیں صدقے

ت تیری وہ شے ہے خدا کو بھی ہے جس کی چاہ   شہادت کے لئے قرآن بکف کہتے ہیں حق اُس کا
اتی یہ ہے شک کی نہیں ہے اس میں کوئی راہ   تو وہ محبوب خالق ہے کہ تجھ پر یا رسول اللہ
جہاں بھر کی تھیں جتنی خوبیاں سب ہو گئیں صدقے

ن کیا ہاتھ آیا قاصدی رب اور کا   بڑھا کروبیوں میں مرتبہ ناموس اکبر کا
ارہ خوب چمکا واقعی اُس کے مقدر کا   شب معراج میں خادم بنا تجھ سے پیمبر کا

نہ کیوں بخت رسا پر اپنی ہو روح الامیں صدقے

پیئے نفع سیہ کاراں گوارا کر لی سب ایذا　　دبے جو بار عصیاں سے تھے انکو کر دیا ہلکا
نجات امت عاصی کا حق سے لے لیا وعدا　　گنہگاروں کی خاطر تم نے جھیلیں سختیاں کیا کیا

دل و جاں دونوں تم پر یا شفیع المذنبیں صدقے

جمال پاک کے ظاہر ہوئے افلاک پر جلوے　　فرشتے ہو گئے شیدائی حسن عالم آرا کے
تصدق ہونے کو غلمان و رضواں شوق میں دوڑے　　شب معراج میں جب سیر کرتے آپ جا نکلے

رخ پر نور پر جنت میں حوریں ہو گئیں صدقے

زمین پست تھا رتبہ دیا افلاک کا مجھکو　　نہ رکھا فیض جاں بخشی سے پتلا خاک کا مجھکو
بنایا تابع فرماں شہ لولاک کا مجھکو　　کیا ہے امتی اپنے حبیب پاک کا مجھکو

تری رحمت پہ میں اے خالق جاں آفریں صدقے

براق عرش پیما پہ سر افلاک جب پہنچے　　فرشتے شوق پابوسی میں بیتابانہ سب دوڑے
رکاب پاک سے مل مل کے آنکھیں اپنی تھے　　ترے نقش قدم پہ سر فدا گردوں نشینوں کے

تری نعلین پہ تاج سلاطین زمیں صدقے

ترے حسن جہاں افروز پہ تیری وجاہت پہ　　ترے اس عارض گلرنگ پہ تیری صباحت پہ
ترے رخسار تاباں پہ تری پاکیزہ طلعت پہ　　ترے پر نور چہرے پہ تری نورانی صورت پہ

چراغ ماہ قرباں شمع خورشید مبیں صدقے

نثار الفت انساں ہوئے اکثر ہی جاں تک　　نہیں محدود کار عشق بلقیس و سلیماں تک

فدائی رکھ نہیں سکتے عزیز اپنے دل و جاں تک　　جمال شاہ کا آوازہ پہونچا مصر و کنعاں تک
زلیخا کیطرح یوسف نہو جائیں کہیں صدقے

مثال عرش اعظم اسکو بھی حاصل ہے عز و جاہ　　تصدق روز و شب اس پر ہوا کرتے ہیں مہر و ماہ
یہیں سے زایروں کو ملتی ہے جنت کی سیدھی راہ　　ترا روضہ وہ دلکش ہے کہ جس پر یا رسول اللہ
بہار عرش صدقے نزہت خلد بریں صدقے

شہیر اب یہ مخمس ہے کہ مجموعہ سعادت کا　　عیاں ہوتا ہے رنگ الفاظ سے حسن عقیدت کا
گل تر حرف حرف اس کا گویا ہے باغ مدحت کا　　یہ رضواں کی غزل ہے یا کوئی گلدستہ جنت کا
ہیں جس پر زمزمہ سنجان فردوس بریں صدقے

مثنوی بمعنون ذکر حالات مسجد قبا داخل کتاب

مدینۃ الرسول مصنفہ ۲۷ ر اپریل سنہ ۱۵ء

خامہ کو نہ کیوں ہو اس قدر ناز　　ہے عزت والقلم سے ممتاز
اس پر ما یسطرون بھی واہ　　ماشاء اللہ و بارک اللہ
قرآں میں اس کی یہ قسم ہے　　جو خالق لوح والقلم ہے

کیا ہو تحریر اس کی توصیف　　کیوں کر ہو بیان اس کی تعریف
دی ہیں اُسے حق نے دو زبانیں　　تا رمز شناس سمجھیں جانیں
ذکر اللہ و مصطفیٰ ہو　　ہے نعت نہ حمد کبریا ہو
عرش و کرسی سے ہے مکرم　　خلقت میں یہ اُن سے ہے مکرم
دست قدرت میں خود ہے محفوظ　　تحت فرماں ہے لوح محفوظ
ما کان و ما یکون و کن کا　　اللہ نے اس کو علم بخشا
سب علم و ارادۂ الٰہی　　اس پر ہوئے منکشف کما ہی
گردش اس کی ہے زیب تحریر　　آواز صریر حسن تقریر
سجدے میں قلم جو سرنگوں ہے　　یہ جو ہر امر کاف و نوں ہے
راہِ طاعت نئی نکالی　　طرح سجدہ اسی نے ڈالی
سجدے میں جو حق کے سر جھکایا　　یہ مرتبۂ عظیم پایا
ادیان ما سبق میں ہر چند　　سجدے کے نہ اہل دیں تھے پابند
لیکن اسلام نے یہ تجدید　　سجدے کی نماز میں کی تاکید
سجدے سے عبودیت کی ہے شان　　سجدہ واجب ہے بہر رحمٰن
سجدے سے ہے عز و شان طاعت　　سجدہ ہے دراصل جان طاعت
سجدہ ہے بنائے دین و ایماں　　سجدہ ہے فخر جن و انساں
ساجد سب ہیں خدا ہے مسجود　　ہم عبد ہیں اور رب ہے معبود

جو پیش خدا ہے سرفگندہ — مقبول الٰہ ہے وہ بندہ
سجدے سے ہے بہرہ مند ساجد — سجدے سے ہے سربلند ساجد
سجدہ ہے وجہ سرافرازی — سجدے سے ہیں سرخرو نمازی
مسجد ہے نام جائے سجدہ — جائے سجدہ برائے سجدہ
سجدے سے ہے استحقاق مسجد — سجدے سے ہے زیب طاق مسجد
مسجد کی ہے ایسی شان و عزت — کہتا ہے گھر اپنا رب عزت
معبد ٹھہرا مکان معبود — سبحان اللہ شان معبود
اعلیٰ ہیں وہ مسجدوں میں اقسام — اقصیٰ و حرام جن کے ہیں نام
کعبہ ہے حجاز روکش طور — بیت المقدس ہے شام مشہور
بانی اک کے خلیل یزداں — اور ایک کے حضرت سلیمان
دونوں یہ پیمبران برحق — تھے راہ نمائے طاعت حق
دونوں یہ معابد اعظم — پیش خالق رہے مکرم
کفار کے قبضہ میں جو آئے — کیا کیا نہ وہ اس میں رنگ لائے
بت خانہ بنایا بدعتیں کیں — سمجھے باطل کو حق وہ بیدیں
کفر و الحاد بڑھ چکا جب — پھر جوش میں آئی رحمت رب
چمکا مکے میں حق کا وہ نور — جس سے ہوئی ظلمت جہاں دور
مبعوث ہوئے رسول امجد — سرکردۂ انبیاء محمد

محبوب خدا نبی اکرم | مخدوم و مطاع خلق و عالم
فخر دو جہاں و شاہ کونین | سیار مقام قاب قوسین
مفہوم حدیث قدسی پاک | لولاک لما خلقت الافلاک
جس کے حق میں ہوا مسلم | امر صلوا علیہ وسلم
تبلیغ امر دیں میں ہیہات | ایذا دیتے تھے شہ کو بدذات
لائے ایماں کچھ نکو کار | تھے دشمن جاں ہزاروں کفار
گو کلمۂ حق ہی کہتے تھے آپ | اس پر بھی جفائیں سہتے تھے آپ
آمادۂ قتل جب ہوئے سب | اس دم ہوا حکم حضرت رب
مکہ چھوڑو۔ مدینہ جاؤ | لطف تائید حق اٹھاؤ
تعمیل حکم رب اکبر | واجب سمجھے چلے پیمبر
گو حب وطن نے پاؤں پکڑے | لیکن نہ رسول پاک ٹھہرے
دشت غربت کی شب کو لی راہ | پردیسی بنے حضور ذی جاہ
طیبہ میں جو آئے کرکے ہجرت | نازل ہوئی گویا حق کی رحمت
انصار نے فرش رہ کی آنکھیں | بڑھ بڑھ سب نے بچھائیں آنکھیں
نقش قدم رسول والا | تھے نور میں مہر و مہ سے بالا
انداز خرام و حسن رفتار | وہ تھا کہ تھے لوٹ کبک کہسار
جس سمت گزرتے شاہ لولاک | پاک وہ زمین اوج افلاک

رکھتے تھے دھوپ میں جہاں پاؤں ‏ طوبیٰ کرتا تھا اُس جگہ چھاؤں
سایہ قدِ پاک کا کہاں تھا ‏ وہ پردۂ نور میں نہاں تھا
آیا نہ نظر وہ سایۂ پاک ‏ ہرچند زمین اُڑایا کی خاک
تھے ظلِ الٰہ آپ حضرت ‏ تھا سایۂ سایہ عین دقت
آخر وہ ہمائے اوج و رفعت ‏ شاہنشہِ عالمِ نبوت
جس جا دو ہفتہ آ کے ٹھہرا ‏ چاہا بنے گھر یہاں خدا کا
وہ معبد اولین اسلام ‏ جس کا ہے مسجد قبا نام
تقویٰ پر اساس اس کی ڈالی ‏ معمار تھا دو جہاں کا والی
وہ قبلۂ و کعبۂ معظم ‏ محبوب خدا رسول اکرم
بنّار بنا خود اس بنا کا ‏ کیا خوب بنایا گھر خدا کا
جتنے تھے مہاجر اور انصار ‏ تعمیر میں دل سے تھے مددگار
لاتے تھے چوب و گل اٹھا کر ‏ مصروف کار تھے پیمبر
مسجد تیار ہو گئی جب ‏ دلشاد ہوا وہ خاصۂ رب
سب سے پہلے نماز اسلام ‏ پائی بے خوف اسی میں انجام
غالب تھا جو ذوق و شوق طاعت ‏ ہوتی تھی نماز باجماعت
چندے گزرے بخیر و خوبی ‏ نکلی نئی پھر یہ راہ شر کی
تھا ایک ابو عامر خطاکار ‏ حاسد، کم بیں، شریر، مکار

مداح رسول تھا بہ ظاہر   تھا دل سے منافق اور کافر
اس نے رہِ خدع یہ نکالی   تازہ مسجد کی نیو ڈالی
نقصان و کفر و تفرقہ تا   اہلِ ایماں میں کردے پیدا
چاہا کہ گھٹے قبا کی عزت   اس مکر سے ہو مخل طاعت
افسوس نہ ہوا یہ کارگر کچھ   پہونچا نہ ضرار سے ضرر کچھ
کیا چلتی منافقوں کی سازش   اس پر تھی خدا کی جب نوازش
پھر یہ ہوئی مرضی الٰہی   ہو جلد ضرار کی تباہی
تاکید تھی لا تقم فیہ   ابداً سے ہمیشگی کی تنبیہ
جبریل سے یہ پیام سُن کر   چاہا حضرت نے دفع ہو شر
بگڑی کو بنا سکے نہ حاسد   ڈھائی گئی وہ بنائے فاسد
اس مسجدِ پاک کا ثنا خواں   اللہ ہے خود میانِ قرآن
ارشادِ المسجد اُسِّس کا   ما قبل علیٰ و لفظ تقویٰ
مِن اوّل یوم احق کا فرمان   تھا واجب الاتباع اذعان
تعمیل ان تقوم فیہ اب   کرنے لگے طاہرین و طیب
اسلام نے پکڑی خوب قوت   روز افزوں دین کی تھی طاعت
بیت المقدس کے سمت لیکن   کرتے تھے عبادت آپ ہر دن
بعد از یک سال و نیم یکروز   جو دن تھا یوم بہجت اندوز

پڑھتے تھے نماز ظہر حضرت　　اصحاب تھے شامل جماعت
آدھی ہی نماز ابھی ہوئی تھی　　دو رکعتیں رہ گئی تھیں باقی
نازل ہوئی وحی رب بہ تعجیل　　قبلہ سوئے کعبہ کردو تبدیل
تعمیل فَوَلِّ وَجْهَكَ کی　　ازبس تھی لازمی و فوری
تاخیر و درنگ تھی نہ بہتر　　آمادہ ہو گئے پیمبر
باقی جو رکعتیں رہی تھیں　　پھر کر سوئے کعبہ وہ ادا کیں
قول سفہاء تھا جو باطل　　یہ کہہ کے کیا انھیں بھی قایل
مشرق و مغرب خدا ہی کا ہے　　جو حکم ہو اُس کا وہ بجا ہے
مسجد کا ہوا جو نیک انجام　　ٹھہرا ذو قبلتین بھی نام
کس طرح ہو مدح اس کی تحریر　　قاصر ہے صفت میں زور تقریر
اس سے رسول کو محبت　　اس درجہ تھا اس کا پاس عزت
خارج از شہر گو قبا ہے　　ہاں فاصلہ ڈیڑھ کوس کا ہے
ہر ہفتہ نماز پڑھتے آکر　　معمول رہا یہ زندگی بھر
یکتا اس وصف میں قبا ہے　　دونوں قبلہ کی رہ نما ہے
وارد یہ حدیث میں ہوا ہے　　ارشاد حبیب کبریا ہے
دو رکعتیں اس میں پڑھتے آنا　　اک عمرہ کا ہے ثواب پانا
بیشک ہے یہ اشرف المعابد　　لاریب ہے افضل المساجد

تعریف اس کی تشہیر کرنا دریا کو کوزے میں ہے بھرنا
قلم الفقراء نیک آئیں مشہور ملک محمد الدین
مومن دیندار پارسا ہیں صوفی کے مدیر باصفا ہیں
فرمائش ہے یہ نظم اُن کی تعمیل امر اس لئے کی

آزردن خاطر احبا
کفرست ایں در طریقت ما

مثنوی مذمت جوانی و حرمت پیری

از نٹل کانفرنس الٰہ آباد

کالا ترا منہ ہوا او جوانی داغی کی تو نے زندگانی
جب تک ترا زور تھا سیہ کار کرتی رہی رات دن گنہگار
بدکاریوں کا سبق پڑھایا چسکا مے ناب کا دلایا
دن بھر پھرواتی تھی سیہ مست رکھتی تھی شب کو جام در دست
رندوں کے جھگڑے میں لائی توڑا سب زور پارسائی
آسیب بلا بنی رہی تو پریوں کے سایہ میں اڑی تو
جلوہ رخ خوب کا دکھا کر دیوانہ پریوں کا بنا کر

گمراہی کا راستہ دکھایا — گلیوں میں رات بھر پھرایا
تھا صحبت بد میں کام تیرا — رسوائیوں میں تھا نام تیرا
شیشے کی پری تھی تیری محبوب — طالب تو دختِ رز تھی مطلوب
مینا سے غرض تھی جام سے کام — بس تجھکو تھا اپنے کام سے کام
گو ایک ہی شب کی میہماں تھی — پھر بھی مجھ کو عذاب جاں تھی
تھی رہزن راہ دین و ایماں — تھا تیرا معین کار شیطاں
پٹی اس طرح کی پڑھائی — اللہ کی یاد تک بھلائی
روزہ چھوٹا نماز چھوٹی — توبہ بھی بار بار ٹوٹی
کردم ز شراب ناب توبہ — وز کردۂ ناصواب توبہ
دیوانی ہے بس کہ نوجوانی — قدر عصمت نہ اس سے جانی
صد شکر کہ تونے ساتھ چھوڑا — بہتر ہوا مجھ سے منہ جو موڑا
اب میں ہوں اور میری پیری — جو آئی ہے بہر دستگیری
گزرے وہ سیاہ کاری کے دن — اترا سر سے چڑھا ہوا جن
حاصل ہوئی پایۂ روسفیدی — دھویا گیا داغ ناامیدی
بہتر ہے شباب سے بڑھاپا — ماریگا یہ فوج غم پہ چھاپا
پیری کا یہ ضعف و ناتوانی — افضل ہے ز قوت جوانی
غفلت کے پردوں کو ہٹا کر — دکھلائیگی نیک و خوب منظر

دکھلائیگی راہ راستی کی   یہ ٹیڑھ نکالے گی کجی کی
آ او میری باتمیز پیری   اچھی پیری عزیز پیری
مشتاق و منتظر تھا کب سے   میں مانگ رہا تھا تجھکو رب سے
صدقے تجھ پر سے سو جوانی   قربان ھزار نوجوانی
کب مثل شباب بے وفا ہے   عاجل ہے نہ تو گریز پا ہے
دے گی تا عمر ساتھ میرا   چھوڑیگی کبھی نہ ہاتھ میرا
سچی ہے پاکباز ہے تو   اب مونس دلنواز ہے تو
تیری عصمت ہے مجھکو معلوم   بچوں کی طرح ہے تو بھی معصوم
کھو دیتی ہے عیب و نقص خامی   پختہ کاری میں تو ہے نامی
کر دیتی ہے بوڑھوں کو خرد مند   آویزۂ گوش ہے تری پند
ہو جاتے ہیں تجھ سے پیر دانا   کر دیتی ہے ضعف میں توانا
دم تیرا بھروں نہ کیوں میں ہر دم   تو ہی تو ہے اب رفیق و ہمدم
سب عمر کے مرحلے ہوئے طے   اب منزل آخری تو ہی ہے
کٹ جائیگی راہ سب دل خواہ   انشاء اللہ انشاء اللہ
یہ پنجرۂ جسم جو ہے دربند   ہے طائر روح جسمیں پر بند
تو قید حیات سے چھڑا کر   آزادی کے بخشنے گی آ ہے پر
دیکھے گا گلشن جناں پھر   پائے گا اپنا آشیاں پھر

طوبیٰ کی چھاؤں وہ گھنیری — مرغ سدرہ کی ہمصفیری
وہ سیر بہار جاودانی — جاں بخش وجود زندگانی
حاصل ہوگی تری بدولت — مرنے پہ ملے گی خواب راحت
اب میری یہ آخری دعا ہے — تجھ سے اے پیر التجا ہے
پہونچادے مجھ کو تا بہ مدفن — اصلی تو وہی ہے میرا مسکن
چھوٹے تجھ سے نہ ساتھ میرا
کافور کفن ہو رنگ تیرا

قصیدہ مسمط در تہنیت تاجپوشی و تخت نشینی حضور قیصر ہند خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ بمقام دہلی در صنعت توشیح کہ از نام نامی و اسم گرامی اعلیٰ حضرت شہنشاہ معظم معنون شدہ و این مصرع ذیل کہ جامع تاریخ و سال جلوس ہم است برمی آید و نیز صنائع دیگر کہ بر خاطر اہل بصیرت مخفی نماند

"امپرر آف انڈیا جارج دی ففتھ تاجدار"

ا آئی نئی ہے ایکبار گلشن ہند میں بہار — منت و شکر کردگار ورد زباں ہے بار بار م
م مہکے ہیں پھول بادہ خوار مست طرب ہیں میگسار — رشک زمرد ہیں نگار پہنے ہیں دشت و کوہسار ے
ے راز نمو ہے آشکار دیکھئے رنگ سبزہ زار

ایسی بہار جانفزا ایسی ہوائے دلکشا — فرحت و انبساط کا کیوں نہ بڑھائے مرتبا
اس سے زیادہ ہوگا کیا موسمِ لطف کا مزا — ناز کی چال سے صبا چلتی ہے کیا بصد ادا
ڈالیاں گل کی واہ واہ ہلتی ہیں کیسی باربار

یاس امید ہوگئی۔ کھل گئی دل کی بھی کلی — آس بندھی بڑھی خوشی پوری ہر آرزو ہوئی
جی کی مراد اب ملی شکر ہے امر لازمی — ایسی خوشی کبھی نہ تھی جیسی ہے آج کی خوشی
روز کی بیکلی مٹی دامنِ گل سے نکلے خار

جامِ مئے مراد لا۔ بادہ مشک بو پلا — دیر نہ کر شتاب آ وقت کرم ہے ساقیا
یوم سرور آگیا۔ کیسی فضا ہے جانفزا — فضلِ عمیم کبریا بندوں کے حال پر ہوا
فرحت و انبساط کا گاتے ہیں راگ اب ہزار

تخت و نگین و تاج کا۔ مالک و وارث آگیا — ہند کا بخت جاگ اٹھا اوج حشم سوا ہوا
تاجور قمر لوا۔ سایہ فضل کبریا — آپ ہوا کرم نما۔ ہز مجسٹی پادشا
جانِ جہاں جہاں کشا قیصرِ ہند نامدار

داور نیک و دادگر۔ جم حشم و فریدوں فر — اوج فزائے تاج سر زینت و زیب تخت زر
رمز شناس و نکتہ ور۔ عالم علم و با ہنر — حرف شروع و صدر پر رکھ مع ابتدا نظر
سال و خطاب امیر ہے دلیل اس سے کر شمار

گوہر لجۂ عطا۔ جوہر معدن سخا — بحر نوال و فیض کا دُرِ یتیم و بے بہا
مہر سپہر اعتلا ماہ سمائے ارتقا — خاصۂ لطف کبریا خلق میں نائب خدا

امپیرر آف انڈیا جارج دی ففتھ تاجدار سنہ ۱۹۱۱ء

پرنس کوئن میری۔ بانوے شہریار کی
شاہ کے ساتھ ہمرہی ہند میں جلوہ گستری
صرف ہے ذرہ پروری خاص ہے شفقت سنی
شکر ہے پوری ہوگئی لوگوں کی خواہش دلی
آیا وہ روز فرخی جسکا تھا کب سے انتظار

پرنس اور امپرر۔ دونوں یہاں ہیں جلوہ گر
ایک ہے شمس اک قمر برج شرف ہے چتر زر
کیوں نہو اہل ہند پر مہر و کرم کی یہ نظر
شفقت مادر و پدر ہے برکت پئے بسر
رحمت حق ہے سربسر حسن سلوک شہریار

دہلی میں آ کے تاج پوش جو ہوا شاہ حق نیوش
مرحمت سیئی کا جوش کہتے ہیں اسکو اہل ہوش
حلقۂ بندگی بگوش بار عبودیت بدوش
راہ وفا میں لخت گوش کہتے ہیں اسکو سرفروش
بے غم و فکر نائے و نوش جمع ہیں سب یہ جاں نثار

دور ہوئے غم و تعب مٹ گیا رنج تاب و تب
رشک گریٹ برٹن اب ہند بھی ہوگیا عجب
دونوں جگہ ہے فضل رب ایک ہی شہ ہے خوش لقب
اہل فرنگ و ہند سب صبح و مسا و روز و شب
ہو کے قرین صد طرب کرتے ہیں شکر کردگار

نظم شہیر بے ہنر اس سے ہوئی ہے پُر درر
مدحت شاہ بحر و بر اس میں رقم ہے سربسر
حاصل کاوش جگر ہے یہ دعائے مختصر
امپرس اینڈ امپرر ہے لولانگ فار اور
دونوں کا یہ شکوہ و فر حق رکھے صد لیل و قرار

۰۰۰۰۰ــــــــ۰۰۰۰۰

قصیدۂ تاریخی سال جلوسی حضور اعلیحضرت قیصر ہندوستان حضرت جارج پنجم خلد اللہ ملکہ

حواس و ہوش کیوں ساقی کے ہیں گم — نہیں معلوم کیوں ہے آج گم صم
کہو کچھ منہ سے بولے سر سے کھیلے — خموشی چھوڑے ہے وقت تکلم
نہیں یہ بے رخی رندوں سے اچھی — تغافل ہے ستم جائے ترحم
گھٹا کا کام لے زلف سیہ سے — ہنسے چمکائے اب برق تبسم
بجھائے آج تو میخواروں کی پیاس — لبا لب کردے سب پیمانہ و خم
شراب فیض کی گنگا بہائے — نظر آجائے میخانہ میں قلزم
یہی ہے اقتضا دریا دلی کا — کہ بحر جود میں اب ہو تلاطم
پلائے جام راح روح پرور — کرے مردہ دلوں پر اب ترحم
لب ساغر مسیحائی دکھائے — صدائے قلقل مینا ہو قم قم
پلا دے زاہدوں کو آتش تر — جلا دے آگ سے انبار ہیزم
خوشی کا روز ہے غفار ہے رب — خیال و خوف عصیاں آج ہے گم
نہیں اندیشۂ عقبیٰ کا موقع — یہ قبل از وقت بے جا ہے توہم
خیال روز فردا آج کیوں ہو — کریں کا ہے کو فکر ما تقدم

مے آشاموں کو رحمت کی ہے بس آس — اسی سے رکھتے ہیں چشم ترحم
سرور بادہ کی کیفیتوں سے — وہ واقف ہیں جو ہیں ذی ہوش مردم
نظر شیشے میں ہے بنت العنب پر — پری کا صاف ہوتا ہے توہم
یہ اعلیٰ تر ہے حق کی نعمتوں میں — یہی ہے خلد میں وجہ تنعم
نکالے جاتے جنت سے نہ آدم — اگر پیتے اسے کھاتے نہ گندم
نہ اک قطرہ بھی دریا نوش چھوڑیں — شراب ناب اگر ہو ہفت قلزم
نہیں اندیشۂ سیلاب بادہ — حواس و ہوش ہوں کس واسطے گم
سفینہ نوح کا ہے کشتی مے — نہیں پروائے طوفان و تلاطم
ہمارا رہنما پیر مغاں ہے — بھلا بہکائے تو غول توہم
نہ مر کر بھی اٹھیں گے میکدے سے — بنے گا گنبد مدفن یہی خم
رفیق خرمی سے سب ہیں سرمست — نہیں ہیں ہوش میں آج اپنے مردم
فراہم سب ہیں اسباب تعیش — مہیا سب ہیں سامان تنعم
بطے پیتی ہے خون کبوتر — شراب سرخ سے لبریز ہیں خم
طیور باغ ہیں مصروف نغمہ — عنادل سب ہیں سرگرم ترنم
نہ جب خطرہ صیاد و گلچیں — تو کیسی داد خواہی کیا تظلم
سبھی آزاد ہیں احرار گلشن — نہیں کچھ بھی اسیری کا توہم
ہر اک سو ناچتے پھرتے ہیں طاؤس — اٹھائے جوش مستی میں سر دم

لگاتے قہقہے ہیں کبک کہسار
ہنسے پڑتے ہیں سب کیسا تبسم

تدرو اس شان سے چلتے ہیں تن کر
خرد محشر خرامی کی بھی ہے گم

بنی ہے آج ایذا آپ راحت
حسابِ نوش میں ہے نیش کژدم

نہیں کانٹوں کی نوکوں میں خلش اب
ہیں نرمی میں سرِ تارِ بریشم

بہارِ خندۂ گل دیدنی ہے
چمن میں کرتی ہیں کلیاں تبسم

نئے سر سے بسی ہے آج دلّی
ہر اک اقلیم کے ہیں جمع مردم

دکھایا حق نے روز شادمانی
شب غم کٹ گئی ظلمت ہوئی گم

حضور امپرس اور امپرر کا
ہر اک پر خسروانہ ہے ترحم

جلوس موکب گیتی ستاں نے
حواس پیر گردوں کر دئے گم

سواری میں ہے رہوار صبا دم
دم جولاں ادا سے ہے چنور دم

سمند باد پا کی شوخیوں سے
پسی جاتی ہے بجلی بھی تہِ سُم

خوشی تاجپوشی کا ہے یہ زور
کہ بحر خرمی میں ہے تلاطم

یہ خاک زیر پائے شہ کی ہے قدر
لئے جاتے ہیں سب بہر تیمم

بڑھی ہے شانِ دربار معلےٰ
ہے صرف فرش رہ دیبا و قاقم

کلس اونچا ہے اتنا بارگہ کا
سر گردوں سے ہے خوف تصادم

حریر و پرنیاں کے ہیں جو پردے
رگِ جاں اُن میں ہے تارِ بریشم

وہ ہے سامان بزم تاج پوشی
کہ نظارے سے جس کے قلم ہو نگہ

سریر سلطنت پر جلوہ گر ہیں — مہ و خُور اور درباری ہیں انجم
جمال شاہ و شاہنشاہ با نُور — ہوا ہے نور بخش چشم مردم
گلیم ہند شام ہند اب سے — عجب کیا پائے رنگ صبح قاقم
ترا مستقبل اچھا ہوگا اے ہند — یہ ہیں سامان حفظ ماتقدم
خدا کے فضل سے پھر ہاتھ آئی — وہ دولت ہو گئی تھی پہلے جو گم
مبارک ہو یہ جشن تاج پوشی — رہیں خوش راجہ پرجہ اور ہم تم
نزول رحمت حق ہو دمادم — رہے افضال ایزد کا ترا کم
شہیر اب لکھ دیجئے سال جلوسی — جلوس اعلیٰ حضرت جارج پنجم
سمجھ لیں ساعت و تاریخ و مہ بھی — حروف سال کو گن لیں جو مردم

در تقریب خیر مقدم حضور ہزآنر عالیجناب سر جیمیس مسٹن گورنر

بہادر صوبہ متحدہ - بمقام جونپور ۷ر فروری سنہ ۱۴ء

حضور ہزآنر آفتاب اوج کرم — نشان رحمت باری سحاب فیض اتم
مدبر و حاکم اعلائے یوپی اینڈ اودھ — ہمارے صوبہ کے فرماں روا مسیحا دم
جناب والا سر جیمیس مسٹن افسر ملک — کہ لفٹنٹ گورنر لقب ہے جنکا علم
زہے نصیب کہ حاضر حضور میں ہو کر — ورود خیر مقدم میں کہتے ہیں ویلکم

ہے یہ بھی بندہ نوازی حضور والا کی — یہاں جو لائے ہیں تشریف اب بجاہ و حشم
ضرور اس میں رعیت نوازیوں کی ہے شان — مبارک آپ کا ہو جو نپور میں مقدم
خدا کرے کہ نہ آثار قحط ہوں ظاہر — دلوں سے رفع گرانی جنس کا ہو الم
بہت حضور کی آمد سے شاد ہیں ہم لوگ — ذرا بھی اس میں خوشامد نہیں خدا کی قسم
نہیں ہے وقت بھی حد ادب بھی مانع ہے — کہ بڑھنے پائے نہ کچھ شوخی زبان قلم
مگر یقین دلانا حضور کو ہے یہ فرض — کمال امن سے ہم لوگ ہیں خوش و خرم
یہاں ہمارے کلکٹر جو ایسی ڈی اکر ہیں — انھیں کے حسن حکومت سے مطمئن ہیں ہم
دعائے دولت و اقبال ہز مجسٹی میں — خلوص قلب سے مصروف رہتے ہیں ہر دم
یہاں نزاع نہیں ہندو و مسلماں میں — کسی طرح کی خصومت کوئی نہیں باہم
یہی ہے وجہ کہ سب یکزباں یہ کہتے ہیں آج — سر آنکھوں پر ہیں ہمارے حضور کے یہ قدم

ہمائے اوج سعادت بدام ما افتاد
چو ایں زماں گزرت بر مقام ما افتاد

قصیدہ مدحیہ در تقریب خیر مقدم حضور ڈی آنریبل ڈی سی بیلی
سینیر ممبر بورڈ آف ریونیو ممالک متحدہ آگرہ و اودھ
بموقع افتتاح بیلی ہاسپٹل مچھلی شہر ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء

روز و شب گردش میں ہے یہ گنبد فیروزہ خام — آسمان و چرخ گرداں ہے اسی سے اسکا نام

ایک صورت سے بھرا کرتا ہے آٹھوں پہر — ایک ہی حالت سے ساری میں ہے یہ صبح و شام
گھومنا قسمت میں اسکی ہے ازل سے تا ابد — یہ کہیں دم بھر ٹھہر کر رہ نہیں سکتا مقام
انقلاب دہر ہر چکر کا اس کے نام ہے — ہے اسی کے دور کی کیفیتوں میں دور جام
بادۂ خالص کو کہتے ہیں جبھی تو آفتاب — ساغر مے نے اسی سے پایا ہے مہتاب نام
خم کی صورت دیکھ لو ہے وضع مینائے فلک — دونوں کی ترکیب و ہیئت میں ہے کیا تشبیہ نام
ہاں زمیں میکدہ ہے ہمسر چرخ بریں — کیوں فلک کی طرح میخانہ نہ ہو عالی مقام
اپنے اس دعویٰ کی رکھتا ہوں میں یہ روشن دلیل — دیکھتے ہیں آج آنکھوں سے جسے سب خاص و عام
یہ شفا خانہ ہوا ہے جو نیا تعمیر اب — جسکی رسم افتتاحی کا یہ سب ہے اہتمام
قبل ازیں تھی خاص اس جا پر بنائے میکدہ — آبکاری سے ملقب تھی جو مابین انام
اس سے اک اور نکتۂ باریک کا عقدہ کھلا — ٹھیک کہتے ہیں شراب ناب کو دارو عوام
کیونکہ جو معنی دوا کے ہیں وہی دارو کے ہیں — اور تاثیر دوا میں ہے شفا کا التزام
جائے میخانہ شفا خانہ مزے کی بات ہے — اتحاد معنوی سے ہے بہم کیسا التیام
گو خرابی سے سب آثار قدیمہ مٹ گئے — پر یہ بنیاد جدیدہ اسکی ہے قائم مقام
اوج پر اس قطعہ ارضی کی جو تقدیر تھی — مل گیا خوبی قسمت سے عروج و احتشام
بگڑے بن جاتے ہیں جب اللہ کا ہوتا ہے فضل — وقت آجاتا ہے تو سب ٹھیک ہو جاتا ہے کام
میکدہ جب تھا جہاں اب ہے وہاں دار الشفا — اس بنائے خیر کو یارب ہمیشہ ہو قیام
اللہ اللہ دیکھئے تو شان ہی کچھ اور ہے — اس عمارت کا ہے بیلی ہاسپٹل خوب نام

اس جلیل القدر کے اسم سے موسوم ہے — جسکا ثانی دوسرا ہوگا نہ بیشک لاکلام
واہ کیا نام مبارک ہے کہ جس کے لیتے ہی — ہوتے ہیں کام و زبان و لب مزے سے شادکام

مطلع

عادل و فیاض و خوش خلق و جواد نیک نام — انریبل ڈی سی بیلی حاکم اعلیٰ مقام
بورڈ آف ریوینیو کے اس سے سینیر ممبر ہیں آپ — ملک میں تا خدمت مالی کا ہوا اعلیٰ نظام
ہے یہ یوپی اینڈ اودھ کے خوش نصیبی کی دلیل — جس نے پایا اس طرح کا حاکم ذی احترام
بیٹھے ہیں سکے دلوں پر آپکے اخلاق کے — آپکے اشفاق کے مداح ہیں سب خاص و عام
خلق کی تاثیر سے ہیں بندۂ بے دام سب — لطف سے تسخیر کے سب کے دل وحشی ہیں رام
اس عنایت کا ادا ہو شکریہ کیا اے حضور — جو قدم رنجہ یہاں فرمایا با صد احترام
آنکھیں اک مدت سے ہملوگوں کی فرش راہ تھیں — مقدم والا کی خاطر تھیں دعائیں صبح و شام
للہ الحمد آج بر آئی تمنائے دلی — آرزو پوری ہوئی۔ ہے شکر حق کا یہ مقام
کیا ہوا تاخیر اس تعمیر میں گو کچھ ہوئی — دیر ہونے سے درستی ہی ہوا سب ٹھیک کام
پہلے آئین دختر نیک اختر عالی حضور — سنگ بنیاد اسکا رکھا آپ با صد احتشام
اس سے بڑھکر یادگاری فخر کی کیا ہوگی اور — باپ کی قائم مقامی میں کیا بیٹی نے کام
کیوں نہوں ممنون جان و دل سے ہم لوگ انکے بھی — اصل بناؤں ہیں وہ ہیں۔ ہے مقدم انکا نام
رسم فونڈیشن وہ تھی جو ہو چکی پہلے ادا — اوپننگ سری منی کا آج یہ ہے اہتمام
ابتدا جس کام کی دختر کے ہاتھوں سے ہوئی — حسن و خوبی سے کیا اب باپ نے اسکو تمام

کچھ موانع ایسے آئے کہ جسکی وجہ سے،
ہو سکا جلدی نہ اس تعمیر کا کام انصرام

پست ہمت ہو گئے اس سے سپر انداختہ
سمجھے ترکی ہو گئی اس ترک تازی کی تمام

مولوی اس۔ا[1] محسن اور میں گیا پرتابگڈھ
کیں وصول چندہ کی تدبیریں باسعی تمام

کینڈے کے تحصیلدار ذوی شرف ایم ایم فصیح
ہو گئے ہم لوگوں کے حامی بن آیا جس سے کام

کالا کانکر اور بھدری سے ملی اچھی مدد
رائے صاحب اور راجہ نے کیا خوب اپنا نام

اے سی واکر اسکویر جو اب کلکٹر ہیں یہاں
جن کے لطف خاص کے ممنون ہیں سب خاص و عام

کی اعانت ایسی ہم لوگوں کی کافی طور پر
جن کے حسن نظم سے اس جلسے نے پایا انتظام

ہیں یہاں سید محمد اطہر اب تحصیلدار
جن کی تھوڑی سی توجہ بھی بہت ہی آئی کام

رقمیں موعودہ مقامی چندہ کی باقی جو تھیں
ہو گئی انکی وصولی غالباً سب دام دام

اب دعائے مختصر پر ختم کرتا ہوں سخن
تا نہ بار سمع اقدس ہو کہیں طول کلام

شاعران ہند میں مشہور ہوں گو میں شہیر
لیکن اصلی ہے مرا سید محمد نوح نام

اے خدا جبتک رہے یہ دورۂ شمس و قمر
تا کواکب کا رہے بزم سما میں ازدحام

ساعت و اوقات تا ایام میں محسوب ہیں
روز و شب کا تا زمانہ میں رہے باقی نظام

نام نامی ہلی صاحب کا یونہیں روشن رہے
آپ کا جاری رہے دنیا میں ہر سو فیض عام

ہز مجسٹی جارج پنجم قیصر ہندوستاں،
ظل گستر باد برفرق رعایا بالدوام

[1] خانصاحب مولوی سید محمد حسن صاحب رئیس و اسپشل مجسٹریٹ مچھلی شہر

در تہنیت عروسی مسٹر ہومس صاحب کلکٹر جونپور ۲۶ نومبر سنہ ۱۱ء

اللہ اللہ کیا بہار جانفزا ہے اندنوں ۔ روح پرور کیا ہوائے دلکشا ہے اندنوں
رنگ گلزار جہاں ہے آج کل نکھرا ہوا ۔ خوب نخل آرزو پھولا پھلا ہے اندنوں
کھل کھلا پڑتی ہیں کلیاں چھیڑتی ہے جب نسیم ۔ خود ہوائے شوق میں بادِ صبا ہے اندنوں
بند ھ رہی ہے خوش مزاجی کی ہوا گلزار میں ۔ وا شدِ دل سے ہر اک گل ہنس رہا ہے اندنوں
دخل کیسا ذکر بھی افسردگی کا اب نہیں ۔ غنچۂ خاطر شگفتہ ہو رہا ہے اندنوں
گلستانِ ہند میں تازہ بہار آئی ہے اب ۔ سبزہ پامالِ خزاں ہو کر ہرا ہے اندنوں
لطفِ صحبت اب اٹھاتے ہیں گل و بلبل بہم ۔ خار خارِ ہجر سینوں سے جدا ہے اندنوں
زمزمہ سنجِ مسرت طائرانِ باغ ہیں ۔ بلبلِ شوریدہ سر نغمہ سرا ہے اندنوں
قیصرِ ہندوستاں کے آمد آمد کی ہے دھوم ۔ سب دلوں سے خرمی سب کو سوا ہے اندنوں
چار دانگ ہند میں شورِ طرب ہے ہر طرف ۔ ربع مسکوں میں ہر اک سو غلغلا ہے اندنوں
عام اب جشنِ طرب ہے کوچہ و بازار میں ۔ نقدِ عیش بے بہا بھی کم بہا ہے اندنوں
خوش رعایا و برایا حاکم و محکوم ہیں ۔ حال پر ہندوں کے اب فضلِ خدا ہے اندنوں
حق نے بخشی اس خوشی میں اور یہ تازہ خوشی ۔ یعنی حاکم ضلع کا دولھا بنا ہے اندنوں
آمدِ شہ میں ہوئے نوشہ جناب لاٹ سی کچھ بس ۔ لطف و عیش و شادمانی کا مزا ہے اندنوں

شکر ہے اب ہوگئی پوری تمنائے دلی — ہم بغل ہر دم عروس مدعا ہے اندنوں
اس عروسی کی خوشی میں ہے یہ بزم تہنیت — غل مبارکباد کا ہر سو مچا ہے اندنوں
تر زباں ہے ہر زباں جوش مئے تبریک سے — لعل لب کا خوب طوطی بولتا ہے اندنوں
مستفرہوس و مستنرہوس اے خدا تا دیر گاہ — خوش رہیں پھولیں پھلیں یہ دعا ہے اندنوں

کامیابی کا ہمیشہ ان کے سر سہرا رہے
اے شہیر اللہ سے یہ التجا ہے اندنوں

قطعات تاریخ

قطعہ تاریخ ارتحال پرملال میر علی ضامن صاحب مرحوم نائب تحصیلدار ساکن علویانہ مچھلی شہر

سید خوش اعتقاد و پاک دل — آں علی ضامن لئیق و نوجواں
مُرد در طاعون در عین شباب — پاک آمد پاک رفت ازایں جہاں
من نوشتم بر سر قبرش شہیر — راہ عقبیٰ یافتہ باعز و شاں ۱۳۲۱ھ

تاریخ وفات حقیقی بی بی مادر علی محمد محلہ خانزادہ

ام شیخ علی محمد نے — باغ فردوس میں جگہ پائی
پنجشنبہ کا روز تھا وہ آہ — اور ہفتم مہ صیام کی تھی

تھا وہ جو طاعون کا مرض مہلک　　جس نے فرصت نہ جانبری کی دی
ہے یہ لوح مزار کی تاریخ　　قبر پاکیزہ بی بی حنیفل کی ۱۳۲۱ھ

قطعہ تاریخ تعمیر عابد منزل واقع امین آباد لکھنؤ حسب فرمائش عابد علیخاں صاحب مالک منزل

ملحق مسجد یہ پاکیزہ عمارت بن گئی　　شکر پورا حوصلہ عابد علیخاں کا ہوا
پاس مسجد کے جو یہ ایوان عالیشان ہے　　اس سے عابد منزل اسکا نام اور اچھا ہوا
معنوی وصوری ہے تاریخ تعمیر سے شہیر
تیرہ سو بتیس اب سال بنا زیبا ہوا ۱۳۳۲ھ

تاریخ لوح مزار برادر مغفور سید حسین مرحوم تحصیلدار

ابن عم ام مسمی خامس آل عبا　　شیعہ پاک اعتقاد وسید والا نزاد
عازم فردوس چوں شد زیں جہان بے بقا　　گشت داخل در جوار رحمت رب العباد
بہر سال لوح مرقد زد رقم کلک شہیر
تربت آل نبی سید حسین پاک زاد ۱۳۳۲ھ

قطعہ تاریخ انطباع دیوان تاج سخن تصنیف حافظ جلیل حسن صاحب جلیل جانشین امیر مینائی

الحمد للہ ہوگئی شایع وہ نظم لاجواب　　دل فریبی میں ہے جو مجموعہ رنگیں ادا

کیا سجی ہے زیور الفاظ سے مثل عروس
کاغذی ملبوس ہے دیبا و اطلس سے سوا

حسن معنی کو سواد خط چھپا سکتا نہیں
ابر میں خورشید تاباں کی نہیں چھپتی ضیا

بے سواد اسکو اگر دیکھے تو ہو روشن سواد
روشنی طبع کے ظاہر ہوں جو ہر برملا

اس پری زاد سخن کو جس نے دیکھا اک نظر
کچھ ہیں آسیب الفت کے وہ دلدادہ ہوا

اسکے نظارے سے رہ سکتے نہیں قابو میں دل
تاب اسکے جلوے کے لائیں حواس ہوش کیا

دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں بیساختہ اہل نظر
بارک اللہ بارک اللہ مرحبا صد مرحبا

ہے وزیر بادشاہ شاعراں کا یہ کلام
کہتے ہیں تاج سخن اہل سخن اسکو بجا

یعنی یہ دیوان ہے تصنیف زیبائے جلیل
اپنے خواجہ تاشوں میں سب کا جو ہے اب پیشوا

ماہر فن باریاب حضرت شاہ دکن
حافظ قرآن و دیندار و جوان و پارسا

تھے شہنشاہ سخن حضرت امیر لکھنوی
جن کا ظل عاطفت تھا سایۂ بال ہما

فیض فن آموزی مرحوم کا یہ ہے اثر
شاعر اعلیٰ ہر اک شاگرد ادنیٰ ہو گیا

یہ جلیل القدر شاگردوں میں بھی ممتاز تھے
حال پر اسکے عنایت رہتی تھی سب سے سوا

عزت قائم مقامی امیر ان کو ملی
جانشینی کا شرف بھی پا گئے نام خدا

اللہ اللہ کیسی پائی ہے طبیعت نور کی
کیا زبان صاف ہے کیا شوخی طبع رسا

جس غزل کو دیکھئے ہے صاف انداز امیر
شیشۂ ہر شعر میں ہے رنگ مینائی بھرا

مثل جو استاد کا ہو وہ ہے شاگرد رشید
جو صفت جس میں ہو وہ ہے لائق مدح و ثنا

بلبل ہندوستاں تو ہو گیا سدرہ نشیں
اب دکن میں ہر طرف ان کا ہے طوطی بولتا

سر مہاراجہ یمین السلطنت ہیں ان سے شاد
شاہ آصف خوش ہیں راضی ہیں وزیر و بادشا

کیوں نہ اب بخت رسا پر اپنے انکو ناز ہو
شاعر دربار سلطانی کا منصب پالیا

مصرع تاریخ سال طبع اب کہئے شہیر
چھپ گیا دیوان استاد سخن کا واہ وا ۱۳۳۸ھ

تاریخ دیوان نواب زمان بہادر نبیرہ مرحوم علی بہادر خلد مکاں

ظلمت اخفا سے نکلا آفتاب شاعری
مطلع مطبع سے جلوہ گر ہوا مہر منیر

ہر طرف نور مضامیں کی جو پھیلی روشنی
آنکھیں ملتے اٹھے شوق دید میں نا و پیر

جاگ اٹھی تقدیر مشتاقوں کی چونکے خواب سے
یکزباں کرنے لگے سب شکر احسان قدیر

شپرہ چشموں کی آنکھیں اس سے خیرہ ہو گئیں
صورت خفاش حاسد ہو گئے سب گوشہ گیر

چشم بد دور اوج پہ مہر مبین نظم ہے
رشک کرتا ہے زمین شعر پہ چرخ اثیر

کیوں نہ اعلیٰ اوج و پایہ ہو سخن کا اسطرح
بول بالا اس کا رہتا ہے جو ہو روشن ضمیر

اسکی یہ تصنیف عالی ہے جو ہے عالی وقار
ہے امیر ابن امیر ابن امیر ابن امیر

ماہ کنعان فصاحت یوسف مصر سخن
گوہر تاج بلاغت زیب اورنگ سریر

شاعر شیوہ زبان و ناظم عذب البیاں
یعنی نواب زماں رشک نظیری و ظہیر

جد امجد آپکے بابت میں تھے فرماں روا
تھا علی ان کا تخلص تھے وہ تلمیذ منیر

یہ شرف [illegible] میں کبھی انکا [illegible]
ہوں [illegible] خوش بیاں کا میں بھی شاگرد اے شہیر

لکھئے سنہ عیسوی اس کا سال انطباع
چھپ گیا دیوان والا بے مثال و بے نظیر سنہ ۱۹۱۱ء

تاریخ طبع دیوان سفینۂ نوح من تصنیف محمد نوح صاحب نوح ناروی

خلیل کعبۂ نظم و کلیم طور سخن — مسمی آدم ثانی مسیح راحت روح
کلام خویش مدون نمود و شایع کرد — چساں نہ بیس رسانیدہ فن شود ممدوح
ہمہ محاسن شعری بہ بیں دریں دیواں — کہ ہست نام خدا پاک از عیوب و قبوح
سخنوران جہاں تر زباں بہ مداحش — ز حسن بندش مضموں کشود باب فتوح
شہیر گفت دعائیہ سال طبع لطیف
رواں بہ بحر فصاحت بود سفینۂ نوح سنہ ۱۳۲۹ھ

دیگر

آں شہیر عالم شہرت کہ ہمنام من است — یعنی نوح ناروی شیریں زبان و خوش بیاں
از تلامیذ فصیح الملک داغ دہلوی — خاص شاگرد رشید بلبل ہندوستاں
مصرع تاریخ در سال مسیحی گو شہیر
زیب تاج طبع شد دیوان نوح خوش بیاں

تاریخ واقعۂ ارتحال محمد باقر مرحوم

مل گیا خاک میں سینچا ہوا پھول — آب زمزم سے ہوا جو وفا بہر

مستعد تھا عمل خیر میں جو — جسکی ہمت نہ کبھی تھی قاصر
اب وہ زینت آغوش لحد — سب تھے پھر جس سے عروسی کو مصر
شاہد مرگ کا دل دادہ تھا — کھل گیا جان کے دینے سے یہ سر
پوچھا رضواں نے یہ ہے کون جواں — مجھپہ کچھ حال کر اسکا ظاہر
دل ہی سے یہ اجل بولی تشہیر — حاجی شیخ محمد باقر سنہ ۱۳۳۲ھ

قطعہ تاریخ تعمیر بالاخانہ محمد ذکریا ماہر مچھلی شہری

نیچے دکان اوپر ہے مکان کیا اچھا کاشانہ ہے — گھر ہے نفع و راحت کا عیش یہاں بیعانہ ہے
ذکر قصور جنت کا اے واعظ افسانہ ہے — جسکو وحشت ہو آئیں سمجھو وہ دیوانہ ہے
سال بنا کہئے یہ تشہیر خوب یہ بالاخانہ ہے سنہ ۱۳۳۸ھ

قطعہ تاریخ ارتحال واقعہ پر از ملال در مادہ انتقال برادر عزیز مرحوم سید عبید اللہ

آہ از مرگ اخوی کوچک — قلب زار من حقیر شکست
سال ایں واقعہ چو پرسیدم — گفت ہاتف دل تشہیر شکست سنہ ۱۳۲۹ھ

قطعہ در مادہ ارتحال سید شوکت علی مرحوم خواہر زادہ مصنف

دریغا سید شوکت علی مرد — فزوں یک سال عمرش بدز پنجاہ

جمادی الاولیں ماہ عزا شد … نہم تاریخ دو شنبہ سحر گاہ
ازیں مہماں سرائے چند روزہ … بہ ملک جاودانی یافتہ راہ
عزیزاں در غمش سینہ فگارند … شہیر ایں واقعہ سخت است و جانکاہ
چہ گویم من حزیں از بہر سالش … بہ مرد افسوس خواہر زادہ ام آہ ۱۳۲۹ھ

قطعہ تاریخ ارتحال شیخ ولایت علی مرحوم

شیخ ولایت علی مرحوم آہ … شہر میں جنکا نہ تھا کوئی جواب
عازم جنت ہوئے میرٹھ سے وہ … رو رہے ہیں انکو بھی شیخ و شاب
پاک گناہوں سے ہمیشہ رہے … صاف رہا انکا حساب و کتاب
خوب شہیر انکا یہ ہے سال فوت … داخل فردوس بریں بے حساب سنہ ۱۳۲۲ھ

دیگر

حیف آں شیخ ولایت علی عالی جاہ … خاصۂ حضرت رب بندۂ مقبول الہ
اشرف و امجد و دیندار و سخی و باذل … صاحب فضل و کرم نیک دل و حق آگاہ
ہنرش شغل وکالت عملش نیک عمل … سعی می کرد شب و روز پئے تیر و رفاہ
چوں بہ میزان عمل نیک و بدش سنجیدند … پلۂ رفت بہ بالا کہ بداں بود گناہ
سر برآوردۂ و ذی قدر و رئیس نامی … بہ گروہ وکلا بود چوں بہ نجوم اندر ماہ
ہر کہ تقریر فصیحش بہ شنیدے گفتے … بارک اللہ و ضحاک اللہ و ماشاء اللہ

وائے آں مہر سپہر شرف و اوج جلال — رفت در زیر زمیں چوں مہ کنعان در چاہ

بست و ہفتم مہ ذی الحجہ و سہ شنبہ بود — کہ ز کالسکہ رد باز در افتاد براہ

قسم کالسکہ کہ در ہند بہ ٹمٹم نامی ست — می نمایند بر آں سیر امرا گاہ بگاہ

بدپیش وسوسہ انداخت چو شیطاں آں دم — گفت لاحول ولا قوۃ الا باللہ

آہ تا ہمانہ ز دیوان عدالت نرسید — کہ شد ایں حادثہ رنج فزا و جانکاہ

تاب ایں صدمہ افتاد نہ آورد دماغ — کرد آماس چنیں ورخ و سر دار سفاہ

بود یک عشرہ چو در عمر عزیزش باقی — مہلتے داد مگر گفت اجل نیست پناہ

شدہ لا دیتہ بہ ہزار دو صد و شصت و چہار — یوم آدینہ شبانگہ یکم اول ماہ

چوں ہماں روز ہماں وقت و ہماں ماہ آمد — از کمیں مرگ مفاجات برآمد ناگاہ

ملک الموت رسانید چو پیغام وصال — خوں بصد شوق بہ او گفت کہ ہاں بسم اللہ

پاک آمد بجہان و ز جہاں پاک برفت — کلمۂ حق بزباں بود کہ انا للہ

شہ بفردوس بریں رفت و عزیزاں بہ غمش — چاک کردند گریبان و ہمہ جامہ سیاہ

دفن کردند تہ خاک بچشم گریاں — آمد آں وقت کہ گفتند ہمہ طاب ثراہ

روز و ہنگام و مہ و سال رقم کرد شہیر
ہفتم ماہ عزا جزو شب شنبہ آہ

تاریخ طبع دیوان اصغر حسین صغیر گورکھپوری

بے مثل و لاجواب کلام صغیر ہے ‎ ‎ اپنی نظیر آپ جو ہو اسکا کیا جواب
حسن اشاعت اور بڑھا لطف طبع سے ‎ ‎ ہر صفحہ ہو گیا رخ محبوب کا جواب
نکلا یہ سال طبع دل سال سے شہیر
دیوان بے نظیر ہے چھاپا ہے لاجواب ‎ ‎ ۱۹۱۱ء

قطعات تاریخ وفات مولوی عبدالاحد صاحب شمشاد لکھنوی مرحوم خلد آشیاں

ازیں سرائے جہانے بسوئے دار بقا ‎ ‎ شناخت ہم فن وہم عصر من بوقت پگاہ
گزیدہ شاعر ذی علم صاحب دیواں ‎ ‎ محقق ہمہ داں و بہ فن آگاہ
نمودہ کسب فن شعر از جناب قلق ‎ ‎ ضیائے نور پے ز آفتاب گیرد ماہ
وجیہ پاک نہاد و جمیل و خوش پوشاک ‎ ‎ بہ عمر شیب جواں می نمود آں باللہ
ز عالمان فرنگی محل جد و پدرش ‎ ‎ بہ لکھنؤ ہمہ ممتاز و ذی شرف باجاہ
بہ اسم مولوی عبدالاحد شہیر جہاں ‎ ‎ تخلص اش بدہ شمشاد النسب دلخواہ
نوشت سال مسیحی شہیر بالتصریح
بہ پنج شنبہ ذیقعدہ بست و پنجم ماہ ‎ ‎ ۱۹۱۷ء

دیگر

باغ انوار مدفن شمشاد — نیست نزدیک من زجنت کم
سنۂ عیسوی است در منقوط — جای شمشاد شد بہ باغ ارم ۱۹۱۷ء

ایضاً در ہجری

مولوی عبدالاحد شمشاد ہوں زیب جناں — روز و شب ان پہ نزول رحمت غفار ہو
باغ انوار ان کے مدفن کی جگہ بھی ہے بجا — ملک میں دادا کے پوتا کیوں نہ حصہ دار ہو

ہے یہ تاریخ دعائیہ پے لوح مزار
مرقد شمشاد طیب مہبط انوار ہو ۱۳۳۵ھ

دیگر

سہ ذیقعد کی تھی وہ پچیس — پنجشنبہ کا دن تھا غم افزا
ہوئے شمشاد زیب باغ نعیم — دے سکی کچھ نہ مہلت انکو قضا
لکھئے لوح مزار پہ شہیر — قبر شمشاد افصح الفصحا ۱۳۳۵

در تعمیر کمرۂ مختصر خود

کمرہ یہ مختصر سا چھت پر — بنوایا شہیر میں نے اچھا
تاریخ بھی فی البدیہہ کہدی — بالا خانہ ہے خوب اپنا
۱۳۳۳ھ

تاریخ طبع دیوان اصغر حسین صغیر

دیوان صغیر نکتہ دان است — مطبوع طبع ہر جوانے
سال طبعش شہیر گفتم — دیوانِ صغیر نکتہ دانے

تاریخ طبع مسدس جنگی کریما در حالات کارزار طرابلس حسب فرمائش مصنف

طبع شد ایں مسدس جنگی — از جناب حمید نیک شیم
از کریما گرفتہ ہر بیتے — کردہ ہر شعر خویش با او ضم
گفت حالات جنگ با تفصیل — وز دغا بازی اطالی ہم
عرصۂ کارزار شد صفحہ — نقشۂ حرب گشت زیب رقم

خواست از من شہیر چوں سائش
ترکناز طرابلس گفتم

قطعۂ تاریخ وفات شمس علی خاں مرحوم برائے لوح مزار فرمائش برادر اشرف علیخاں صاحب تحصیلدار پدر مغفور

دریغا نوجوان شمس علی خاں رفت از دنیا — غروب افسوس مہر زندگی اش گشت خود مدفون
نہم تاریخ از شوال بود روز دو شنبہ — دل تحصیلدار اشرف علیخاں شد ز غم پرخون

شہیر ایں سال میلادی نوشتم بر سر قبرش

جواں بد شانزدہ سالہ بمرد افسوس در طاعون
۱۳۲۳ھ

قطعہ تاریخ سال ورود ہز ازممدوح ادام اللہ اقبالہ و ضاعف اجلالہ

ہز آنر جو تشریف لائے یہاں — ہوئی سب کو حاصل نہایت خوشی
ہوئے شگفتہ مزاجی چلی — ہوا ہو گئی ساری افسردگی
بنا آج رشک جون پور — کلی دل کی ہر ایک کے کھل گئی
بشاشت سے خاطر ہے باغ و بہار — چلی آتی ہے ہونٹوں پر خود ہنسی
اسی رنگ کا مختصر مادہ
ہے سال ہے غنچہ خورمی ۱۹۱۴ء

تاریخ جلوس حضور قیصر ہند جارج پنجم شہنشاہ ہندوستان وشاہ انگلینڈ خلد اللہ ملکہٗ

جارج پنجم قیصر ہندوستاں شیریں زباں — مدح سے جسکی حلاوت یاب ہیں کام و زباں
ساتھ لیکر بادشہ بیگم کو انگلستان سے — از رہ شفقت ہوا ہے وارد ہندوستاں
شہر دہلی کی بڑھی ہے رونق افزائی سے زیب — کارونیشن یعنی رسم تاجپوشی ہے یہاں
ہند بھر میں اس خوشی کی مچ رہی ہے دھوم دھام — اک سرے سے شاد ہیں سب کودک و پیر و جواں

مصرع اولی ہے ہر سال کافی اے شہیر
جارج پنجم قیصر ہندوستاں شیریں زباں ۱۹۱۱ء

دیگر

دہلی میں شاہ خوش مزاج — ہوگیا تاج پوش آج
سال جلوس لکھ شہیر — مالک تخت و اوج تاج
۱۹۱۱ء

دیگر

تربت نور آگیں۔ حافظ و بایماں سید احمد حسن۔ متوطن جائے زیبائے قصبہ مچھلی شہر
۱۳۳۹ھ — ۱۳۳۹ھ — ۱۳۳۹ھ

از ایجاد فکر دلگیر سید محمد نوح شہیر
۱۳۳۹ھ

یار جانی دوستی جسکی تھی روح روح نوح — جسکو میرے ساتھ تھی بیحد محبت ہائے ہائے
حافظ قرآن و بایمان و ممدوح جہاں — خلق میں اخلاق کی جسکے تھی شہرت ہائے ہائے
پیاری بیٹی پانچ دن پہلے سدھاری خلد کو — ہوگئے رات آپ بھی راہی جنت ہائے ہائے
صدمۂ جانکاہ مرگ دختر ایسا تھا عظیم — ایک ہفتہ بھی اجل نے دی نہ مہلت ہائے ہائے
پنج شنبہ پنجم شعبان ہے یوم دفن آج — کیوں نہ ہوں آنکھوں سے جاری اشک حسرت ہائے ہائے
ہر سال و نقش لوح قبر کہدو اے شہیر — سید احمد حسن کی ہے یہ تربت ہائے ہائے
۱۳۳۹ھ

قطعاتِ تاریخ در تولد دختر سید محمد ایوب سلمہٗ پسر خورد عاصی شہیر

پیارے بیٹے آپ کے ہیں سید ایوب اے شہیر — دی انہیں خالق نے دختر شکر بے چوں کیجئے
منتہائے آرزو پر آپ فائز ہو گئے — شادیِ مولود کو اب دل سے مقروں کیجئے
رنجِ ماضی کو بدلئے خورمیِ حال سے — بہرِ مستقبل دعائے خیر مکنوں کیجئے

سالِ ہجری چاہئے لکھنا جو صوری معنوی
تیرہ[۱۳] سو پر اور چوالیس[۴۴] افزوں کیجئے ۱۳۴۴ھ

دیگر

بحمد اللہ مراد ہشت سالہ میری بر آئی — خدا نے دی مرے بیٹے کو بیٹی ثانیِ بلقیس
ربیع الثانی۔ اسلامی مہینہ۔ روز شنبہ تھا — سنِ ہجری تھا تیرہ سو مزید اس پر تھے چوالیس
نماز وقت مغرب پڑھنے کا ہنگام نکو تھا — زمین و آسماں پر خالق اکبر کی تھی تقدیس
نمازی مسجدوں میں طاعت معبود کرتے تھے — فلک پر درس آموز ملک تھے حضرت ادریس
اسی وقت سعید و نیک میں پیدا ہوئی لڑکی — اسیر بند لعنت قیدیِ غم جبکہ تھا ابلیس
شہیر اس شادیِ میلاد میں اب معنوی صوری — کہو وہ سال میلادی ہو جس سے نظم کی تاسیس

نکلنی بر طرف آغاز محنت کی ضرورت کیا
نومبر چودھویں تاریخ سن انیس سو پچیس
۱۹۲۵ء

برائے لوح مزار سید اقبال علی بی۔ اے ال ال بی وکیل خلف الصدق
سید نواب علی مرحوم تحصیلدار خواہر زادہ ام

اس جواں نیک کا مرقد یہ ہے ۔۔۔ دل سا تھا جو پیروِ آلِ نبی
کھینچ لائی موت پچھلی شہر سے ۔۔۔ دنبل سرطاں نے آخر جان لی
راس آئی کچھ نہ تدبیر علاج ۔۔۔ خاک میں امید صحت مل گئی
پنجشنبہ سولھویں ذی الحجہ کو آہ ۔۔۔ ہوگیا سب ختم لطف زندگی

از سر اندوہ ہے یہ سال خوب
زیب تربت سید اقبال علی

سنہ ۱۳۴۰ھ

تمــــــــــــام شـــــــــــد

قطعاتِ تاریخ انطباعِ دیوان

نوٹ:۔ ضخامت کے لحاظ سے صرف دو دو اشعار ہر تاریخ کے درج کیے گئے ہیں۔

قطعۂ تاریخ اشاعتِ دیوان از ناخدائے سخن حضرت نوحؔ ناروی جانشین حضرت داغؔ

کیا جنابِ شہیرؔ کی ہو صفت — خاص تلمیذ و یادگارِ منیرؔ
سالِ اتمام چاہیئے اے نوحؔ — لکھ۔ سخن چینیِ جنابِ شہیرؔ
سنہ ۱۳۵۴ھ

من تصنیف شاعرِ باکمال مولوی متین الدین احمد صاحب متینؔ مچھلی شہری یادگارِ داغؔ

یہ جنابِ شہیرؔ کا دیوان — دولتِ لازوال ہے لاریب
کیوں نہ تاریخ طبع ہو متینؔ — گوہرِ بے بہا۔ خزینۂ غیب
سنہ ۱۹۳۵ء

من تصنیف پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوقؔ ڈپٹی کلکٹر تلمیذ جناب شہیرؔ مرحوم

روحِ عروض و ماہرِ فن۔ صاحبِ کمال — تھے تاجدارِ ملکِ سخن حضرتِ شہیرؔ
اے شوقؔ لکھ دو مصرعۂ تاریخ بے درنگ — کیا خوب واہ چھپ گیا دیوانِ بےنظیر
سنہ ۱۹۳۵ء

ازاحمد مختار صاحب بدرؔ مچھلی شہری مختار عدالت دیوریا۔ گورکھپور

لو حضرت شہیرؔ کا دیوان چھپ گیا　　اب کیوں نہ دل شگفتہ ہو ہر خاص و عام کا
اے بدرؔ لکھدو مصرع تاریخ سال طبع　　دیوان ہے یہ شاعر شیریں کلام کا
سنہ ۱۳۵۴ھ

ازسید محمد ظفرؔ ظفرؔ مچھلی شہری تلمیذ جناب شہیرؔ مرحوم

ہے یہ دیوان شہیرؔ باکمال　　دیدہ زیب و دلپسند و بینظیر
فکر سال طبع کی گر ہے ظفرؔ　　کہدو۔ یہ ہے گلشن نظم شہیر
سنہ ۱۹۳۵ء

من تصنیف دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب گلشنؔ بریلی الہ آباد

طبع ہوا دیوان شہیرؔ اب　　بھاگ ہیں جاگے اہل وطن کے
از سر کوشش۔ کہدو گلشنؔ　　پھول کھلے ہیں باغ سخن کے
۲۰ + ۱۹۱۶ = ۱۹۳۶ء

نتیجۂ فکر سید محمد مجتبیٰ صاحب مشہورؔ خلف حضرت شہیرؔ خلد آشیاں

لو بہار آئی ہوا سر سبز گلزار سخن　　بس گیا خوشبوئے گلہائے مضامیں سے چمن
لکھدو یہ مشہورؔ سال طبع دیوان شہیرؔ　　چھپ گیا بے زحمت اب الد کا دیوان سخن
سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر سید محمد ایوب صاحب خلف حضرت شہیر خلد آشیاں وکیل ہائیکورٹ دکن

جنت الفردوس میں ہیں شادماں روح منیر　　اللہ اللہ شاعری والد جنت مقام
بہر تاریخ طباعت مصرع آخر ہے خوب　　کچھ چھپے شکر خدا ایوب والد کے کلام
سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر مولوی محمد رشید صاحب سہیل رئیس مچھلی شہر تلمیذ حضرت شہیر مرحوم

حقیقت جو پوچھو حقیقت یہ ہے　　نہ تھا شاعری میں جواب شہیر
پئے سال لکھ دو مکرر سہیل　　چھپا ہے کلام جناب شہیر
سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر منشی محمد اسمٰعیل جذبی سیمابی القوی ثم الکوشینی امام جامع مسجد میمنان

ہے حضرت شہیر کا دیوان یہ لاجواب　　مظہر ہے معرفت کا نہیں اسمیں شک ذرا
جذبی ہوئی جو فکر مجھے سال طبع کی　　آئی ندائے غیب - چراغ جہاں نما
سنہ ۱۳۵۴ء

نتیجۂ فکر میمن جان محمد بن اسمٰعیل سیٹھ جانی سیمابی کوچینی

یہ خبر رحمت نے پائی از افادات سروش　　لو مرتب ہو گیا دیوان تلمیذ منیر
سر اٹھا کر جبل کا لکھ دو یہ جانی سال طبع　　چھپ چکا عرفاں بھرا - دیوان مولانا شہیر

نتیجہ فکر مولوی محمد ذکریا صاحب رحمت کوچینی تلمیذ جناب شہیر خلد آشیاں

چھپ کے جو مطبع سے نکلا آج دیوان شہیر   پردۂ مشرق سے برآمد ہوا مہر منیر
لکھدے تاریخ طباعت رحمت شیریں بیاں   ہوگیا اب طبع بالتخصیص دیوان شہیر
سنہ ۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر مولوی اشتیاق احمد صاحب مشتاق برائے بریلوی تلمیذ جناب شہیر خلد آشیاں

چھپ گیا ہے شہیر کا دیوان   ساری دنیا میں جسکی شہرت ہے
فکر کیا سال طبع کی مشتاق   صاف لکھدو خدا کی قدرت ہے
سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر شیخ واحد علی صاحب عبرت تحصیلدار تلمیذ جناب شہیر خلد آشیاں

چھپ گیا دیوان مولانا شہیر   پردۂ ظلمت سے نکلا آفتاب
لکھدو عبرت بہر سال طبع اب   نام حق دیوان یہ ہے انتخاب
سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر سید نصیر حسین صاحب جوش مچھلی شہری تلمیذ جناب آرزو لکھنوی
برادر خورد سروش

چھپ کے نکلا شان سے کیا خوب دیوان شہیر   اپنی کوشش میں سروش خوش بیاں ہیں کامیاب
سال تاریخ اشاعت جوش لکھدو صاف صاف   ہے یہ دیوان شہیر شاعر عالی جناب
سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجۂ فکر زاہد حسین صاحب انصاری زاہد مچھلی شہری تلمیذ جناب شہیر خلد آشیاں

کیا بھلا تعریف مجھ سے ہو سکے دیوان کی — مجھکو جو آیا وہ ہے فیضان مولانا شہیر
بہر سال طبع لے زاہد تمھیں کیا فکر ہے — لکھدو - اب بہتر ہے یہ دیوان مولانا شہیر
سنہ ۱۳۵۵ھ

نتیجۂ فکر سید علی حیدر صاحب حیدر خویش جناب مشہور صاحب

لکھدے حیدر بہر سال طبع اب — عیسوی ہجری کا یکجائی حساب
ہے حقیقت میں یہ دیوانِ شہیر — بے نظیر - اعلیٰ تیار و لاجواب
سنہ ۱۳۵۴ھ — سنہ ۱۹۳۵ء

نتیجۂ فکر سید ابو جعفر صاحب جعفر رضوی مچھلی شہری تلمیذ جناب شہیر جنت مقام

چھپ کے مطبع سے جو نکلا ہے کلام یادگار — ہو رہی ہے شاد بار [illegible] روح منیر
دی ندا ہاتف نے جعفر بہر سال طبع اب — لکھ بھی دو خوب اک چھپا دیوانِ مولانا شہیر
سنہ [illegible]ھ

نتیجۂ فکر سید محمد مصطفیٰ صاحب نقوی حقیر خلف جناب شہیر غفر اللہ [illegible] ارجھانسی

کیا فصاحت کیا بلاغت ہے کتاب نظم میں — ہے نمونہ شاعری کا [illegible] کے واسطے
بہر سال طبع دیوان اب بھی لکھدو حقیر — والد مرحوم کے اشعار [illegible] تاریخ لکھئے [illegible]
سنہ [illegible]

نتیجہ فکر سید کفایت علی صاحب شیدا مچھلی شہری تلمیذ جناب شہیر جنت مقام

پائیں اللہ سے محنت کا صلہ اپنی سرِ فرش
چھپ گیا ہے مرے استاد کا دیوان سخن
پھر تاریخ یہ ہاتف کی ندائیں آئیں
لکھدے شیدا۔ ہوا دیوان گلستان سخن
سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر سید منصب علی صاحب ضمیر مچھلی شہری خویش حضرت شہیر خلد آشیاں

چھپ گیا دیوانِ مولانا شہیر
ہو گیا پورا اک ارمان۔ لکھ
پھر تاریخ طباعت ضمیر اب
شکر خالق کا چھپا دیوان۔ لکھ
سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر مولوی محمد کریم صاحب کرم بنارسی

ہیں مشہور عالم جناب شہیر
کہ حضرت کا شہرہ نہیں ہے کہاں
جو ہے فکر تاریخ تم کو کریم
لکھو شہرت فیض نازک بیاں
سنہ ۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر محمد اقبال صاحب اقبال مچھلی شہری تلمیذ حضرت متین

کیوں نہ اس دیواں کی ہو عالم میں دھوم
جب مصنف کا تخلص ہے شہیر
لکھدو اے اقبال یہ تاریخ طبع
شہرۂ آفاق دیواں بے نظیر
سنہ ۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر سید محمد عثمان صاحب نورؔ مچھلی شہری تلمیذ حضرت متینؔ

نورؔا عجب ہے یہ دیواں کس سے ہو اسکی توصیف
طبع کی ہاں لکھدے تاریخ گنج بلاغت فکر لطیف
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر عبد السلام صاحب سلامؔ مچھلی شہری تلمیذ حضرت متینؔ

کیا چمن نظم ہے یہ مرحبا گلشن جنت سے ہے بڑھکر پھبن
فکر ہے گر طبع کے تاریخ کی لکھدے فقط۔ واہ رے باغ سخن
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر قاضی جمال الدین صاحب جمالؔ مچھلی شہری تلمیذ حضرت متینؔ

فرد لاکھوں میں ہے دیوان شہیر باکمال ماشاء اللہ ماشاء اللہ مرحبا صد مرحبا
فکر سال طبع کی مجھکو ہوئی جب اے کمال مظہر اسرار دل افروز میں نے لکھدیا
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر ملک عابد حسین صاحب عابدؔ مچھلی شہری

ایک اک شعر اسکا ہے دراصل روح شاعری دیدنی ہے واہ وا دیوان مولانا شہیر
بہر تاریخ طباعت لکھدو اے عابدؔ یہی جان شاعر اب ہوا دیوان مولانا شہیر
۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر مولانا الحاج شاہ ابوالحسن محمد مظفر صاحب حیدری فاضل غازی پوری تلمیذ جناب شہیر اعلی اللہ مقامہ

ابتدا سے انتہا تک ہے بھرا فن عروض ۔۔۔ سیکھنی ہو شاعری تو چاہیئے ایسی کتاب
جوش دل سے لکھدے یہ تاریخ ہجری حیدری ۔۔۔ چھپ گیا اب بارے دیوان شہیر مستطاب

سنہ ۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر جناب سید اختر حسین سروش خویش و جانشین حضرت شہیر اعلی اللہ مقامہ

خوب شہرت ہو گئی اچھا تخلص تھا شہیر ۔۔۔ کر کے دکھلایا جہان شاعری میں اپنا نام
ہے جو صوری معنوی تاریخ کی فکر اے سروش ۔۔۔ لکھدو شائع ہو گیا تیرہ سو چون میں کلام